www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
اسیر حیات
www.paksociety.com
صائمہ احمد

صائمہ احمد

اسیر ذات

وہ ہسپتال کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھا تھا۔

ڈاکٹر اور نرسز جب بھی اس کے پاس سے گزرتے تو اسے تاسف سے دیکھتے مگر وہ ایک کے سوا تمام احساسات سے مبرا تھا وہ سامنے کے دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس کی آنکھوں کے سامنے پانی آجاتا جسے وہ ہتھیلی کی پشت سے صاف کر دیتا۔ وہ یک ٹک فرش کو دیکھ رہا تھا۔

"حیات!" کسی نے اسے آواز دی مگر اس وقت اسے نہیں پتا تھا کہ اس کا نام حیات ہے۔

کسی نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلایا۔

"حیات تمہارے فادر کیسے ہیں؟" اس نے اپنے سامنے والے کے چہرے کو دیکھا۔ اس چہرے کو جو چوبیس گھنٹے پہلے اسے سب سے زیادہ پسند تھا۔

"خوش بخت!" وہ دھیرے سے بولا۔ رو رو کر اس کا گلا خراب ہو چکا تھا۔

"پلیز اس وقت مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

"حیات مجھے تمہاری حالت اچھی نہیں لگ رہی۔ کب سے ایسے بیٹھے ہو اٹھو بینچ پر بیٹھو چلو۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا۔

"نہیں۔ بس پلیز مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں اگر تم مجھے تنہا چھوڑ دو گی تو مجھ پر ایک

احسان ہو گا تمہارا۔" وہ بہت آہستہ مگر بے ربط بول رہا تھا۔

"حیات مجھے تمہارے دکھ کا احساس ہے۔ مگر یوں۔" وہ اسے فرش پر بیٹھے دیکھ کر تاسف کا شکار ہوگئی
۔

"دکھ! مجھے تو اپنے دکھ کا خود اب تک صحیح احساس نہیں۔ کوئی دوسرا تو اسے چھو بھی نہیں سکتا۔ اور رہی مدد تو یقین کرو آج کے دن میری مدد کرنا کسی انسان کے بس میں تو ہے ہی نہیں۔ پلیز تم چلی جاؤ۔"

وہ مایوس سی اس کے پاس سے اٹھ کر باہر کی طرف چل دی۔

اسے اس وقت کا احساس بالکل نہیں تھا جب ایک آواز آئی۔

"اوئے جوان۔" کسی نے سختی سے اسے پکارا اس نے آواز کی سمت دیکھا تو ایک بزرگ خاتون ساتھ ہی بینچ پر بیٹھی تھیں۔

"جی!" وہ بہت بے بسی سے بولا۔

"کب سے تجھے دیکھ رہی ہوں۔ عورتوں کی طرح روتا ہے یا سر شتر مرغ کی طرح ایک طرف ڈال کر بیٹھ جاتا ہے تجھے تو مشکل میں اپنا رُخ بھی سیدھا کرنا نہیں آتا۔" اس نے ان کی طرف ان نظروں سے دیکھا جیسے وہ کچھ نہیں جانتیں۔ انہوں نے جیسے اس کا دماغ پڑھ لیا۔

"پتا ہے تیرا باپ ہے یہاں ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ اگر چھ سات گھنٹے نکال گیا تو بچ جائے گا۔"

"جی!"

"چل میرے ساتھ!" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا وہ وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا تھا مگر ان کے پیچھے پیچھے چل دیا جہاں وہ رکیں سامنے مسجد تھی۔

" جتنا اکیلا بیٹھ کر وہاں روتا رہا ہے اس سے آدھا بھی یہاں روئے گا تو مشکل آسان ہو جائے گی۔ دو نفل پڑھ اور اللہ تعالیٰ سے مانگ "وہ یہ کہہ کر واپس جانے لگیں۔

"آپ یہاں کیوں ہیں؟" اس نے انہیں پکارا۔

"بس کچھ دیر شاید اور یہاں ہوں۔ -- میری بیٹی ایڈمٹ ہے کینسر ہے اسے - مارفین بھی اب اثر نہیں کر رہی بہت درد میں ہے - ڈاکٹر کہتے ہیں شاید تین دن نکال لے گی - مگر میری دعا ہے اسے اس تکلیف سے جلد رہائی مل جائے۔" ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"جاؤ ناں مانگ لو تمہارے پاس تو وقت ہے۔" وہ وضو کی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا نماز تو شاید ہی کبھی اس نے زندگی میں پڑھی ہو گی - جب وہ وضو کر رہا تھا تو اسے بہت عجیب لگ رہا تھا۔ وضو کے بعد وہ مسجد کے اندر گیا جب اس نے نمازِ حاجات کی نیت کی تو آنسو اس کی آنکھوں سے رواں تھے نماز اس نے درست ادا کی یا نہیں اسے احساس ہی نہیں تھا۔ سلام کے بعد اس نے ہاتھ اٹھالیے کئی طرح کے مضمون بنائے کئی لفظ آگے پیچھے کیے مگر اسے سمجھ نہیں آرہا تھا ایک بہت نیک انسان کے لیے اس جیسا گناہ گار دعا مانگے تو کیا وہ قبول ہو گی۔ اسے اپنی بے بسی کا شدید احساس ہو رہا تھا۔

الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے منہ سے نکلے۔

"اللہ پاک جی اس انسان کی صحت کے لیے دعا مانگتا ہوں جس نے مصیبت میں بھی آپ کو یاد رکھا اور اچھے وقت میں بھی۔" آگے کیا بولے اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا وہ روتا ہوا سجدے میں چلا گیا۔

++++++++++++++

چاند کی روشنی پورے صحن میں پھیلی ہوئی تھی- جاتی گرمیوں کی رات تھی ہوا کبھی آہستہ چلتی تو کبھی تیز- رات کے وقت باہر کافی ٹھنڈ تھی -اس کی چارپائی سے سامنے رکھا چولہا نظر آرہا تھا جس میں اب بھی کچھ کوئلے جل رہے تھے جو ہوا کے چلنے سے——— تھے- راکھ ہوا کے ذریعے صحن میں پھیلی ہوئی تھی اس نے سر موڑ کر ابے کو دیکھا - وہ سو رہا تھا- رات کافی گزر چکی تھی مگر وہ دوپہر کو بہت دیر تک سویا تھا اس وجہ سے اسے نیند نہیں آرہی تھی - اس نے احتیاط سے اپنے تکیے کے نیچے سے پلاسٹک کی بوتل نکالی وہ کنچوں سے بھری ہوئی تھی- چاند کی روشنی میں وہ چمک رہی تھی اور شیشے کے کنچوں سے روشنی منعکس ہو رہی تھی یہ سب اسے بہت اچھا لگ رہا تھا-

اس نے بہت احتیاط سے بوتل کو ہاتھوں میں اٹھا کر اوپر کیا اور بہت شوق سے انہیں دیکھنا شروع کر دیا- روشنی منعکس ہو کر اس کے چہرے پر بھی پڑ رہی تھی - اس نے بوتل بہت احتیاط سے پکڑ رکھی تھی ، اگر وہ ذرا بھی ہلتی تو کنچوں کے آپس میں ٹکرانے سے ابا اٹھ جاتا اس نے ایک دفعہ پھر اپنے ابے کی چارپائی کی طرف دیکھا آہستہ آہستہ خراٹوں کی آواز اس تک پہنچ رہی تھی ابے کی چارپائی اس کی چارپائی سے کچھ ہی فاصلے پر تھی-

وہ پھر اپنے مشغلے کی طرف متوجہ ہوگیا- جب کافی دیر ہوئی تو وہ اس سے بھی بور ہو گیا-

اس نے کنچوں کی بوتل کو تکیے کے نیچے رکھ دیا- اب ستارے اسے اپنی طرف متوجہ کر چکے تھے-

"ستارے کتنے ہوں گے؟" ایک سوچ اس کے ذہن میں ابھری-

"میرے کنچوں جتنے! نہیں یہ تو بہت زیادہ ہیں- ایک دن میں اتنے کنچے جمع کرلوں گا جتنے یہ ستارے ہیں-" وہ ستاروں کو دیکھتا ہوا مسکرایا-

"پھر میں ان کا کیا کروں گا؟" فکر اس کے چہرے پر چھا گئی-

"میں ان کو ٹرنک میں رکھ دوں گا کچھ اختر کو دے دوں گا کچھ امان بھریو کو کچھ ماسی جیجاں کو بس اور کسی کو نہیں دوں گا-"

"ابے کو؟" ایک سوچ اس کے ذہن میں اُبھری-

"نہیں-"

"ابے کو بالکل نہیں دوں گا-" اس نے ابے کی چارپائی کی طرف دیکھا-

وہ سائیڈ پر سو رہا تھا- وہ سیدھا سو ہی نہیں سکتا تھا- چاند کی روشنی میں وہ بہت واضع نظر آرہا تھا- کمزور سا چہرہ اور داڑھی کی جگہ چند بال ہی تھے- جو کافی لمبے تھے- ابا انہیں ہاتھ سے پکڑ کر سیدھا کرتا رہتا تھا- سر کے درمیان سے بال غائب تھے- پاؤں کی ایڑیاں بہت زیادہ پھٹی ہوئی تھیں- ملگجا سا لباس اور صافہ جو اس نے سر کے نیچے رکھا ہوا تھا- کمزور مریل سا جسم، اس کی کمر کا کوہان کافی واضع تھا- اس کب کی وجہ سے ابا اور چھوٹا لگتا تھا-

وہاں قابل توجہ صرف ایک چیز تھی- ابے کے چہرے کا سکون - جو اس کے چہرے کا خاصہ تھا-

اسے پتا تھا رات کافی گزر چکی تھی ابے کے اٹھنے کا وقت بھی شاید قریب ہی تھا۔ ابا تین بجے تک اٹھ جاتا تھا۔ رات کو جلدی سو جاتا تھا۔ سامنے دیوار پر بلی دبے پاؤں چل رہی تھی ۔ اس کا سایہ صحن کے فرش پر بہت بڑا بن رہا تھا۔ وہ بلی کے سائے کو دیکھتا رہا اب نیند اس پر غالب آرہی تھی ۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کوئی چیز بلی کو مارے اور وہ بھاگ جائے۔ اب نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ وہ سونے کے قریب تھا کہ ابے کی چارپائی پر حرکت ہوئی ۔ چارپائی چرچرائی اس نے نیم وا آنکھوں سے ابے کی طرف دیکھا وہ بہت آہستہ سے چارپائی سے اٹھا۔ اس نے آہستہ آواز میں کلمہ پڑھا ابھی فجر کا وقت نہیں ہوا تھا وہ ہینڈ پمپ کے پاس گیا۔ لکڑی کی چوکی سلور کے تسلے کے پاس رکھی ۔ تسلے کو نل کے نیچے رکھا اور نل کی ہتھی پر زور ڈالا اور پانی سے تسلا بھر لیا اب وہ آہستہ آہستہ وضو کر رہا تھا۔ وضو کرنے کے بعد اس نے صافے سے ہاتھوں کو پوچھا۔ دائیں ہاتھ کی انگلی اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ کر کچھ پڑھا۔ اور مصلے پر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ جب ابا نماز میں جھکتا تو ایسے لگتا جیسے کپڑوں کی گٹھڑی اس کی کمر پر رکھی ہو۔

ابا اس کے لیے عجیب تھا۔ اس کے آس پاس جو انسان تھے ان میں سے کوئی بھی اس جیسا نہ تھا۔ سب اسے کبا موچی کہتے مذاق اُڑاتے وہ بھی ان لوگوں میں شامل ہو جاتا۔ اسے ابا کبھی بھی اپنے جیسا نہ لگا نہ اس سے محبت محسوس ہوتی تھی ابا نماز ختم کر چکا تھا اور ہاتھ دعا کے لیے اٹھا چکا تھا دعا مانگتے ہوئے آنسو اس کی آنکھوں سے رواں تھے۔ پتا نہیں وہ رو رو کر کیا مانگ

رہا تھا۔ ابا اتنا اللہ تعالیٰ سے کیا مانگتا ہو گا اس نے سوچا۔

بہت سوچنے کے بعد اسے کچھ سمجھ نہ آیا شاید ابا اللہ سے کہہ رہا ہو مجھے بھی دوسرے لوگوں کی طرح کر دے۔ میرے کب کو ٹھیک کر دے۔ کتنے عرصے سے ابا نماز پڑھ رہا تھا۔ مولوی صاحب کہتے ہیں سچے دل سے جو مانگیں اللہ تعالیٰ وہ ضرور دیتا ہے۔ اب نیند پوری طرح اس پر حاوی ہو گئی تھی اگلی سوچ کی جگہ وہ سو چکا تھا۔

"اُٹھ کالے پتر اُٹھ جا! مسجد جانے کا وقت ہو گیا ہے۔" ابے کی آواز اس کے سوئے ہوئے دماغ سے ٹکرائی مگر اس کا ابھی اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"مجھے نہیں اُٹھنا۔" وہ بڑبڑا کر دوبارہ سو گیا۔ ابا اس کی چارپائی کے پاس آیا اس کی چادر کو اس کے اوپر سے اُتار دیا۔

"اٹھ جلدی سے وضو کر کے مسجد جا جب تک تو آئے گا میں ناشتا بنا لوں گا۔" ابے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا دیا۔ وہ منہ بناتا ہوا اٹھا وضو کر کے ٹوپی سر پر رکھی اور ادھ سوئے دماغ سے مسجد کی طرف چل دیا۔ اسے مولوی صاحب سے بہت ڈر لگتا تھا وہ سبق یاد نہ کرنے پر مرغا بنا دیتے وہ سب سے نالائق بچہ تھا ایک سال سے وہ نورانی قاعدہ پڑھ رہا تھا۔ مسجد میں داخل ہوا تو سب سے پیچھے بیٹھ گیا۔

اس نے ساتھ بیٹھے بچے سے اپنا سبق ایک دفعہ پڑھا اور اسے رٹنے لگا۔ سبق سنا کر چھٹی ہوئی تو وہ گھر کی طرف چل پڑا۔ ہر دن میں کچھ بھی اس کے لیے نیا نہیں ہوتا تھا جب وہ مسجد سے آتا

تو ابا صحن میں جھاڑو دیتا پھر چولہے میں آگ جلا کر چائے کا پانی رکھ دیتا اس کے گھر ہر روز صبح ایک پاؤ دودھ آتا تھا۔ جس سے پتلی سی چائے بنتی۔ آٹا ابا پہلے ہی گوندھ لیتا تھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا تو ابا توے پر روٹی ڈال رہا تھا۔

چائے کی پتیلی پاس ہی پڑی تھی۔ ابا دو موٹی روٹیاں پکاتا اور ایک اسے دے دیتا اور ایک خود لے لیتا۔ وہ چولہے کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ ابے نے چائے پیالیوں میں ڈالی۔ ایک پیالی اس کے سامنے رکھ دی ایک تھالی میں روٹی رکھ کر دے دی ۔ اور وہ خود اپنی پیالی سے چائے پینے لگا۔ ان کا ناشتا ہر روز یہی ہوتا تھا۔ کبھی رات کا سالن بچ جاتا تو وہ ساتھ لے لیا جاتا۔ اسے اس سب سے اب چڑ ہو چکی تھی ۔ پتلی پانی جیسی چائے کے ساتھ وہ سوکھی روٹی کو نگلنے کی کوشش کرتا۔ مگر ابا یہ سب ایسے کھاتا جیسے اس سے مزے کا کھانا تو اسے کبھی ملا ہی نہیں۔

ہر روز وہ اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرتا اور ختم ہونے پر اللہ کی تعریف کرتا۔

کھانا ختم کر کے وہ چند برتن دھوتا اور اپنی چیزیں اپنے لکڑی کے ڈبے میں رکھتا پالش برش جوتے سینے والی سوئی کیل اور چھوٹی ہتھوڑی وغیرہ یہ چیزیں ڈبے میں رکھ کر وہ کمرے کو تالا لگاتا۔

"گھر پر ہی رہنا گلی میں جاؤ تو صرف——— زیادہ دور نہ جانا۔" یہ روز کا فقرہ کہتا اور ڈبا اٹھا کر ——— جاتا۔ پھر جیسے اس کا دل چاہتا وہ کرتا۔ ابے کے جانے کے بعد وہ اپنے کنچوں کی بوتل اٹھا کر گلی میں آجاتا صبح کے وقت زیادہ تر بچے اسکول جاتے اور اختر ہی

ہوتا جس کے ساتھ وہ کنچے کھیلتا۔

+++++++++++++

آج گلی بالکل سنسان تھی اختر کے گھر کا دروازہ بھی بند تھا۔ وہ اختر کو گھر سے بلا نہیں سکتا تھا اس کی ماں اختر کے ساتھ اسے بھی گالیوں سے نوازتی تھی۔ اور کہتی کہ وہ اس کے بچے کو بھی آوارہ کر دے گا۔ ماسی جیجاں کا تنور خالی تھا۔ وہ بارہ بجے سے پہلے نہیں آتی تھی ۔ اماں بھریو اپنے گھر کے سامنے تھڑے پر بیٹھی تھی ۔ اسے پتا تھا ابھی وہ اسے آواز دے گی مگر آج اس کا موڈ اس سے بات کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

وہ گھر گیا کنچے رکھ کر غلیل لے آیا وہ سامنے نیم کے درخت پر چڑھنا چاہتا تھا جس پر اماں بھریو کے بقول جن بھوت رہتے تھے جو اسے کھا جائیں گے پہلے تو بہت ڈرتا تھا اور کبھی بھول کر بھی اس کے پاس سے نہیں گزرتا تھا کہ کہیں جن بھوت اسے اٹھا کر درخت پر نہ لے جائیں اور وہاں اسے الٹا لٹکا دیں پھر وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر جائے گا اور اسے کئی دن تیز بخار چڑھا رہے گا۔ یہ سب اسے اماں بھریو نے بتایا تھا۔ مگر اس نے دیکھا کہ اس سے بڑے لڑکے اس درخت پر چڑھتے تھے انہیں تو کچھ نہیں ہوتا جب وہ پہلی دفعہ درخت پر چڑھا تھا تو اسے لگا کہ اب نہیں تو اب کوئی جن آئے گا اور اسے سزا دے گا مگر آہستہ آہستہ اس کا ڈر دور ہو گیا تھا۔

بس اس نے اماں بھریو کو اس بارے میں نہیں بتایا تھا- وہ اماں کے گھر کے سامنے آہستہ سے گزر جانا چاہتا تھا مگر اماں بھریو سے بچنا بہت مشکل تھا-

"اے لونڈے اب کہاں جارہا ہے تو؟" اماں بھریو

پٹاخہ آواز میں بولی-

"کہیں نہیں اماں بس وہاں سامنے تک جارہا تھا-"

"ادھر آ میری طرف-"

"ہاں اماں-" وہ مریل آواز میں بولا-

"جا- پتر اصغر کی دکان سے ایک سوڈے کی بول تو لادے رات سے کلیجہ جل رہا ہے-"

"نہیں اماں ابا مارے گا-" اس نے بھاگنے کی کوشش کی -

"میں جانوں تو کتنا ڈرے ہے اپنے ابے سے- چل جا پیسے جو بچ جائیں گے - اس کا تو کچھ کھا لیجو-" اس نے پیسے پکڑے اور دکان سے بوتل لا کر اماں کو دے دی پھر وہ غلیل لے کر درخت کے پاس گیا کئی پتھر اس نے چڑیوں کی طرف چلائے اگر آج تک اس کا کوئی پتھر بھی نشانے پر نہیں لگا تھا- پھر وہ درخت پر چڑھ گیا کافی دیر بعد وہ تھک سا گیا تو اس نے آوازیں دینا شروع کر دیں کوئی جن ہے تو بولے- وہ خیالی جنوں کو آوازیں دیتا رہا- پھر وہ مختلف شاخوں پر بیٹھ کر جھولا جھولتا رہا- جب دوپہر ہو گئی تو وہ درخت سے اُتر آیا- ماسی جیجاں تنور پر آچکی تھی وہ لکڑیوں کے ساتھ سرکنڈوں سے آگ جلا رہی تھی - وہ سرکنڈے اٹھا کر ماسی کو

دینے لگا- اسے یہ سب بہت اچھا لگتا تھا ماسی تنور میں روٹیاں لگاتی جاتی اور اس سے باتیں کرتی جاتی دنیا جہاں کی بے معنی اور بامعنی باتیں-

+++++++++++++

جب میں نے پہلا سانس اس دنیا میں لیا ہو گا وہ عام سا ہی دن ہو گا- میری پہلی رونمائی ---- کس نے مجھے دیکھا ہو گا- شاید، نہیں یقیناً جب میری ماں نے مجھے دیکھا ہو گا تو محبت سے چوم لیا ہو گا- جب میری ماں نے مجھے چھوا ہو گا اس کے ہاتھ ہوتے ہوئے میری کمر تک پہنچے ہوں گے تو! پتا نہیں ماں کو کتنا دکھ ہوا ہو گا- میں اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں- میری باپ میری پیدائش سے دو ماہ پہلے فوت ہو گیا تھا-

اگر دنیا میں، میں کسی کے لیے اہم تھا تو وہ میری ماں ہی تھی- اس کی محبت صاف خالص محبت تھی کہیں بھی ترس بے چارہ جیسے رویئے نہیں تھے- جب میں کھیلنے کے قابل ہوا تو میری ماں ہی زیادہ تر مجھ سے کھیلتی ، مجھ سے باتیں کرتی مگر مجھے آہستہ آہستہ پتا چلا کہ ماں کے علاوہ بھی لوگ ہیں گھر سے باہر بھی دنیا ہے - تو میں گھر سے باہر جانے لگا ماں مجھے بہلاتی پیار کرتی- ماں کہتی میرے ساتھ کھیلا کر مگر میں کہتا مجھے باہر کھیلنے میں زیادہ مزا آتا ہے- میں آہستہ آہستہ باہر کی دنیا سے روشناس ہو رہا تھا-

باہر جا کر پہلا احساس جو ہوا وہ یہ تھا کہ میں ان جیسا نہیں ہوں! لفظ "مختلف" کبھی کبھی بہت اذیت دیتا ہے۔
مگر مجھے باہر کے رنگ زیادہ اچھے لگتے میں اپنے جیسے کہاں سے ڈھونڈتا جو میرے جیسے نہیں تھے وہ بھی مجھے اپنے جیسا سمجھنا نہیں چاہتے تھے۔ میں ان جیسا بننا چاہتا تھا۔ میں اکڑ اکڑ کر چلتا تاکہ میں ان جیسا لگوں مگر ایسا کرتے میں زیادہ مضحکہ خیز لگتا تھا۔ ہمیشہ میں بندر اور مداری کے کھیل میں بندر ہی ہوتا مگر مجھے یہ بھی منظور تھا۔ میں رسا ہاتھ میں پکڑ لیتا اور جوتیوں کے گرد گھومنا شروع کر دیتا۔
مگر میرا نصیب جوتیاں کھانا ہی ہوتا میں بھاگتا اور میرے ساتھی میرے پیچھے جوتیاں لے کر بھاگتے۔ ماں دروازے پر کھڑی ہوتی وہ بھاگ کر آتی اور مجھے زبردستی اندر لے جاتی۔

ماں رونا شروع کر دیتی۔

"پتر تو کھیل نہیں رہا وہ تجھ سے کھیل رہے ہیں۔"

برف پانی میں بھی پکڑنے کی باری ہمیشہ میری ہوتی تو میں نے جب سمجھنا شروع کیا تو میں اس رنگارنگی سے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ میں ڈھیٹ بن جانا چاہتا تھا مگر نہ بن سکا۔

مذاق، تحقیر، حقارت اور ترس نے مجھ میں سوراخ کرنا شروع کر دیئے۔ میری دنیا پھر گھر تک محدود ہو گئی - ماں اور میں۔ البتہ کبھی محلہ سے کوئی آجاتا۔

ہمارا گھر ماں کے ہنر سے چلتا تھا۔ میں تو ماں کے ہاتھ کا چھالہ بن گیا تھا۔

ہمارے گھر کے سامنے آسیہ کا گھر تھا۔ وہ کبھی ماں سے کڑھائی کا کوئی ٹانکہ سیکھنے آجاتی کبھی اماں اسے بلا لیتی - اب میں بچپن سے جوانی میں داخل ہو گیا تھا۔ مگر ماں کے لیے بچہ ہی تھا۔
اب ماں چاہتی تھی کہ میں کوئی کام سیکھوں تاکہ وہ میری زندگی میں میرے کام آسکے مگر میں اتنا ڈر گیا تھا کہ کہیں بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ ماں کے علاوہ میں کسی سے ملتا تو ہو گاما موچی

تھا جو ہماری گلی کے نکڑ پر بیٹھتا تھا میں اس کے پاس بیٹھتا اس سے باتیں کرتا اس کے لیے میں خاص نہیں تھا وہ مجھ سے عام سی باتیں کرتا مگر شاید یہ باتیں عام نہیں تھیں۔

ایک دن میں اس کے پاس بیٹھا تھا تو وہ اچانک بولا۔

"اگر تیرا کب ٹھیک ہو جائے تو تو کیا کرے گا؟" اس نے دھاگہ سوئی کے اندر ڈالتے ہوئے مجھ سے اچانک پوچھا۔

یہ ایک اچانک حملہ تھا کچھ دیر تو میں کچھ حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"بول چپ کیوں ہے؟" اس نے جوتی کو ایک ٹانکا لگایا وہ بہت بے نیازی سے بولتا تھا۔

"تو" "میں کچھ دیر سوچتا رہا" "تو میں بہت خوش ہوں گا خوشی سے چھلانگیں ماروں گا۔" میری آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

"اچھا، تو پھر تو یہ کر سکتا ہے۔" میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیسے۔" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"تو سوچ کے تیرا کب ہے ہی نہیں تو عام لوگوں کی طرح ہے بس اتنی سی بات ہے۔"

میں نے باقاعدہ ناراض ہو کر اسے دیکھا۔

"ناراض نہ ہو پتر، تیری ماں نے اور تیرے دماغ نے تجھے اپاہج بنادیا ہے۔ تیری ماں تو، یہ سب باتیں پیار میں کرتی ہے مگر تو خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ یہ جو دماغ ہے نا اس میں ڈال تو" لاشے "نہیں" شے "ہے جیتی جاگتی پھرتی احساس سے بھری کوئی شے ہے کوئی تیر انداز ایک دفعہ

اڑا لے گا دو دفعہ سو دفعہ پر جیت اس کی ہو گی جس کے اعصاب مضبوط ہوں گے۔"

"بابا اگر تو یہ سب ایسے ہی سمجھتا ہے تو تو موچی کیوں ہے اپنے دماغ سے کچھ اور کیوں نہیں بن گیا-" میں نے پوچھا-

"ہاں تو میں کب انکار کرتا ہوں- دماغی طور پر میں ایک موچی ہی بننا چاہتا تھا-"

"تو میں بھی ایسا ہی بننا چاہتا ہوں-" میں نے دلیل دی -

"پتر سب سے مشکل کام ہی "ذات" سے فرار ہے- اس سے فرار بہت مشکل ہے کوشش کر شاید کامیاب ہو جائے- یہ جو تیرے گرد پھرتے ہیں اور تو ان کو اپنے سے اعلیٰ سمجھتا ہے- ان سے بہت آگے نکل جائے گا-"

"نہ بابا تیری مشکل باتیں مجھے تو سمجھ نہیں آتیں-" میں نے مکمل بے زاری سے کہا-

"چل پھر موچی بن جا- کچھ تو لے لے مجھ سے-"

پھر میں نے بابا سے بابا کا ہنر سیکھنا شروع کر دیا مگر ماں کو کچھ نہ بتایا- بابا کی کچھ باتیں تو مجھے سمجھ آ جاتیں کچھ سر سے گزر جاتیں-

وقت گزرتا گیا- آسیہ جو ہمارے گھر کے سامنے رہتی تھی اماں نے اسے اپنی بیٹی بنایا ہوا تھا- اس کا صرف باپ تھا وہ مر گیا تو وہ ہمارے گھر ہی رہنے لگی -

پھر میری زندگی میں بہت بڑی تبدیلی آگئی میری شادی آسیہ سے ہو گئی- میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا- مگر اماں نے بہت دباؤ ڈالا تو میں نے کہا کہ اگر آسیہ راضی خوشی مجھ سے شادی کرلے گی تو میں بھی راضی ہوں مجھ پتا تھا وہ انکار کر دے گی مگر وہ راضی ہو گئی میرے

لیے یہ حیرانی کی بات تھی میں خود اس کے پاس گیا-

"تو مجھ سے شادی پر راضی ہے؟"

میں نے حیرانی سے اسے دیکھ کر پوچھا-

"ہاں!"

"خوشی سے؟"

"خوشی سے بھی اور مجھے چار دیواری اور تحفظ چاہیے-"

"سوچ لے پھر نہ پچھتانا-"

+++++++++++++

مجھے پتا تھا آسیہ مجھ سے خوشی سے شادی نہیں کر رہی- مگر میں چاہتا تھا کہ مجھے پتا نہ چلے اور میں ایسا ہی کرتا رہا- میرے پاس بہت دلیلیں تھیں پہلی میں نے خود اس سے اس بارے میں پوچھا تھا تو اس نے انکار نہیں کیا تھا- وہ میرے ساتھ شادی پر راضی تھی - دوسری وہ خود مختار ہے وہ خود انکار کر سکتی تھی - دوسری وہ خود مختار ہے وہ خود انکار کر سکتی تھی- وغیرہ وغیرہ - میں دھوکے کی دنیا میں جانا چاہتا تھا تو کون روک سکتا تھا- ہاں ماں بہت خوش تھی - ہونے والا کام تو ہو جاتا ہے- ایسے ہی میری شادی آسیہ کے ساتھ ہو گئی - شادی کی رات جب میں آسیہ کے پاس گیا تو میرا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہیں سارا کا سارا آج ہی نہ دھڑک

جائے میری ٹانگوں میں شدید لرزش تھی۔ میں نے بادامی رنگ کا سوٹ پہنا تھا اور ابھی تک
پھولوں کے ہار میری گردن میں تھے رومال پہلے ہی ہاتھوں کے پسینے سے نم ہو چکا تھا۔
آسیہ رنگین پائے والے پلنگ پر بیٹھی تھی اس نے سرخ لباس اور گوٹے والا دوپٹا لیا ہوا تھا وہ کیا سوچ رہی تھی
مجھے نہیں معلوم میں لرزتا اور قدرے سہما ہوا اس کے پاس پلنگ پر بیٹھ گیا۔
پہلے میں نے رومال سے ماتھے سے پسینہ پونچھا۔

"آسیہ تو خوش تو ہے ناں۔" مجھے اپنی آواز میں واضع لرزش محسوس ہوئی میں نے بہت امید
سے اسے دیکھا۔

"جی" اس نے سر اور جھکا لیا۔ میں نے اپنا ٹھنڈا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا ہم دونوں کے ہاتھ یخ
ٹھنڈے تھے۔

"میری جگہ تمہیں ایک مکمل انسان مل سکتا تھا۔"

"آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں جن کا۔" وہ

چپ ہو گئی۔

"کیا بولو؟" میں جلدی سے بولا۔

"آپ پریشان نہ ہوں اب آپ ہی میرا سب کچھ ہیں۔" مجھے لگا آسیہ کے سامنے میں بونا بن گیا ہوں۔
کچھ ہے کچھ ایسا جو بونے پن کا احساس مجھ پر چھا گیا۔

میری شادی شدہ زندگی شروع ہو گئی۔ میں ایسا خوش تھا جس میں خوف بھی شامل ہوتا ہے۔ میری
کمر پر بوجھ بہت بڑھ گیا تھا۔ میں حال میں خوش رہنا چاہتا تھا میں ایسا مگن ہوا کہ ماں کے پاس بھی کم

جاتا مگر ماں مجھ سے بہت خوش تھی۔ اسے کوئی شکوہ نہ تھا میری زندگی آگے آگے چلتی رہی یہاں
تک کہ ایک حقیقی خوشی مجھے ملی کہ میں باپ بنوں گا۔ مجھے لگا آج تک اتنی بڑی خوشی مجھے
نہیں ملی - میری ماں تو مجھ سے بھی زیادہ خوش تھی۔

آسیہ ہمارے ساتھ ہوتی۔ خوشی بھی محسوس کرتی - مگر پھر بھی مجھے لگتا وہ یہ سب جبر کر کے
کرتی ہے میرے پاس واضع ثبوت تو کوئی نہ تھا مگر مجھے لگتا وہ ہم میں ہو کر بھی ہم میں
نہیں۔

ابھی ہم اپنی خوشی کو محسوس ہی کر رہے تھے کہ ایک دن ماں اچانک ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔

ماں کے جانے کے بعد مجھے محسوس ہوا میں بہت اکیلا ہو گیا ہوں سارا گھر ماں نے سنبھالا ہوا تھا میں تو کوئی کام
نہیں کرتا تھا۔ مجھے نہیں پتا ماں سب کیسے پورا کرتی ماں کئی کام کرتی - سامنے پتھر کی چکی
تھی جس میں دلیہ دالیں وغیرہ پیستی اسے کئی ہنر آتے تھے۔

ماں کے جانے کے دس دن بعد مجھے پتا چلا کہ گھر چلانے کے لیے مجھے کام کرنا پڑے گا۔ مگر کیا کام؟ میں
بابا موچی کے پاس چلا گیا تاکہ اس سے مشورہ کروں۔

آسیہ کو اچھی خوراک آرام کی ضرورت تھی۔ ان سب کے لیے پیسے چاہیے تھے۔
بابا اپنی جگہ پر بیٹھا تھا۔

"آ پتر، بہت دنوں بعد آیا ہے۔"

"جی، وہ اماں کے بعد دل ہی نہیں چاہتا باہر جانے کو۔" میں نے بابا کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مرد بنو! ایسے زندگی نہیں گزرتی تیری ماں نے تیرے ساتھ بہت ظلم کیا-"

"اب کیا کروں بابا گھر بھی چلانا ہے-"

"مجھے تو ایک ہنر آتا ہے- تجھے بھی یہ سکھا دوں یہی کر لے-"

"نہیں بابا-"

"کیوں؟"

"یہ مجھ سے ہو گا نہیں شاید سب لوگ!""کوئی بھی کام چھپ کر نہیں ہوتا- ہمت سے کرنا پڑتا ہے -"

"پر!"

"سوچے گا تو کچھ نہیں ہو گا-"

"اچھا کل آکر آپ سے پھر بات کروں گا-"

میں گھر آگیا- آسیہ کام میں مصروف تھی - میں ماں کے کمرے میں گیا ماں کا لوہے کا ٹرنک کھولا اماں اسے تالا لگا کر رکھتی تھی - میں نے سارا ٹرنک دیکھ ڈالا مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا بس ایک کپڑے کی تھیلی میں چند پرانی اشرفیاں تھیں-

میں نے انہیں کو غور سے دیکھا- آسیہ چائے کا کپ لے کر ائی تو انہیں دیکھ کر بولی-" یہ کیا ہے؟"

"پتا نہیں میں تو خود نہیں جانتا-" میں نے وہ اشرفیاں اسے پکڑا دیں-

"یہ تو سونے کی لگتی ہیں-" وہ کل تین اشرفیاں تھیں میں ان کو پرانے سکے ہی سمجھ رہا تھا-

مگر سنار کے پاس جا کر پتا چلا وہ واقعی سونے کی تھیں میں نے انہیں بیچ دیا- اب میرے پاس کافی رقم تھی گھر کی فکر سے میں کافی بے نیاز ہو گیا آسیہ نے بھی مجھے کبھی کام کرنے پر زور نہیں دیا-

++++++++++++++

بہت روشن دن تھا آتی گرمیوں کا دن جب میرے گھر بیٹا پیدا ہوا- جب میں نے اپنے بچے کو پکڑا مجھے لگا وہ مجھ سے گر نہ جائے میں نے اسے آسیہ کے پاس لٹا دیا-

"آسیہ دیکھ ہمارا بچہ-" خوشی سے میری آواز کانپ رہی تھی -

"ہاں دیکھا ہے کالا بھجنگ-"

"کیا تو تو ماں ہے یوں تو نہ بول-"

"بس ٹھیک ہے ایسا ہیرا ابھی نہیں کہ خوشی سے مر ہی جاؤں-" میں حیرت سے آسیہ کو دیکھ رہا تھا-

مجھے لگا آسیہ آہستہ آہستہ مجھ سے دور ہو رہی ہے قریب تو وہ پہلے بھی ایسی نہ تھی مگر کھونے کا احساس بھی حاوی نہ تھا-

وہ اپنے بیٹے کا بھی خیال نہ رکھتی میں کہتا تو ہر روز لڑائی ہوتی میں نے بہت پیار سے اس کا نام حیات رکھا مگر وہ اسے کالا ہی کہتی یہاں تک کہ سب ہی نے اسے کالا کہنا شروع کر دیا-

کالا بہت رو رہا تھا شاید بھوکا تھا مگر آسیہ ادھر ادھر کے کام کر رہی تھی-

"آسیہ اسے دودھ تو دے دے۔"

"دے دیتی ہوں فارغ نہیں ہوں۔"

"مگر دیکھ یہ بہت رو رہا ہے۔"

"رو ہی رہا ہے نا ابھی آتی ہوں۔" وہ اپنے آپ کو اور زیادہ مصروف ظاہر کرنے لگے - چیزوں کو ادھر سے ادھر کرنے لگی۔

"بھوکا ہے۔ اس لیے رو رہا ہے۔" میں اسے چپ کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ چپ ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"اتنا بھی بھوکا نہیں۔ ابھی تو دودھ دیا تھا مر نہیں جائے گا۔"

میں غصّہ میں اس کی طرف مڑا۔

"تو ماں ہے یا۔" میں چپ ہو گیا۔

"ہاں کہہ دے ڈائن ہوں۔" وہ روتی ہوئی کمرے میں چلی گئی -

"کیا ہو گیا ہے آسیہ تو ایسی کیوں ہو گئی ہے؟" میں اس کے پیچھے اندر داخل ہوا تو وہ چارپائی پر بیٹھی رو رہی تھی۔

باہر میرا بیٹا رو رہا تھا۔ اندر بیوی -

"ایک احسان کرے گا ارشد مجھ پر۔" وہ مجھے نام سے کبھی ہی بلاتی تھی -

"کیا؟" کسی ان ہونی کا احساس چیخ رہا تھا۔

"مجھے آزاد کر دے۔" اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنا چہرہ صاف کیا دوپٹے سے ناک صاف کی وہ سرخ آنکھوں اور چہرے سے میری طرف دیکھ رہی تھی -

"دیکھ میں تیرے پاؤں پکڑتی ہوں۔" وہ دوڑ کر میرے قدموں میں بیٹھ گئی -

میں جلدی سے پیچھے ہٹا اور فرش پر بیٹھ گیا۔ میں کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔

"مگر کیوں آسیہ میں نے کیا غلطی کی میں نے تو تجھے خوش رکھنے کے لیے ہر کوشش کی اب تو ہمارا بچہ بھی ہے اگر تو نے مجھے چھوڑنا تھا تو شادی کیوں کی تھی۔" مجھ سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ مگر مجھے لگا اگر میں بولوں گا نہیں تو وہ مجھے سنے بغیر ہی چلی جائے گی۔

"ہاں شادی کی میں نے تیرے ساتھ، تیری ماں کے مجھ پر بہت احسان تھے۔ اس نے میرے باپ کا علاج کروایا۔ جب وہ چلا گیا تو مجھے رہنے کو جگہ دی ورنہ میں تو کرایے کے گھر میں نہیں رہ سکتی تھی - نہ کوئی میرے آگے نہ پیچھے کہاں جاتی۔
مجھے ہمدردی کا بخار چڑھا تھا تیری ماں کا احسان اتارنا چاہتی تھی میں مگر مجھے نہیں پتا تھا میں تمہارے ساتھ پوری زندگی نہیں گزار سکتی۔ میں اتنی جلدی تھک جاؤں گی -"

"کیا میں تجھے بہت برا لگتا ہوں کہ تو میرے ساتھ رہ نہیں سکتی۔ کالے کے واسطے بھی نہیں۔ دیکھ میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں نہ جا ہمیں چھوڑ کر -" میں چارپائی کے پاس اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔" ہم تیرے بغیر کیسے رہیں گے؟"

"اب بہت مشکل ہے۔ پہلے مجھے تجھ سے نفرت نہیں تھی - مجھے تو اچھا نہیں تو برا بھی نہیں لگا تھا۔ مگر پتا نہیں یہ نفرت کیسے ہوئی مگر اب بہت ہو گئی میں تجھے اب دیکھتی بھی ہوں تو مجھے کچھ ہونے لگتا ہے۔ سر پھٹنے لگتا ہے میرا نس پھٹ جائے گی میری کسی دن -"

میں ہاتھ باندھے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"مگر کیوں؟" میں بمشکل بولا۔

"پتا نہیں سچی، رب سچے کی قسم۔ محبت، نفرت کی کوئی وجہ بھی ہوتی ہے کبھی محبت کی طرح نفرت بھی خود ہی ہو جاتی ہے۔"

"تو کیسے رہے گی، کہاں رہے گی؟"

"میں وارث سے شادی کر لوں گی۔"

"کون دودھ والا۔"

"ہاں وہ میرے ساتھ شادی پر تیار ہے پتا ہے وہ میرا ہاتھ پکڑتا ہے تو اتنے زور سے کہ چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے اور تو جب میرا ہاتھ پکڑتا ہے تو تیرا ہاتھ ایسے کانپتا ہے۔ جیسے ---- پتا نہیں مگر مجھے جینے کا حق دے دے ۔ میں تیرے ساتھ اور گھِسٹ نہیں سکتی ۔ نہیں تو میرا دل گھٹ جائے گا۔"

"کیا مجھ میں ک چھ بھی اچھا نہیں آسیہ۔"

"تو نے میری اتنی غلامی کی ارشد میں اب تجھے شوہر سمجھ ہی نہیں سکتی۔ تو مجھے آزاد کر دے ورنہ میں ایسے ہی چلی جاؤں گی ۔ غلام کو شوہر کیسے مانوں۔ پاؤں میں بیٹھنے والے کو سر پر کیسے بٹھاؤں۔"

"اور کالا؟"

"یہ تیرا ہے۔ تو ہی لے ہے! مجھے چھوڑ دے گا ناں تو ۔ آج ہی ابھی ۔"

"ہاں۔"

وہ خوشی سے آ کر مجھ سے لپٹ گئی یہ اس کا پہلا اور آخری بے ساختہ پیار تھا۔

+++++++++++++

اختر نے اب اسکول جانا شروع ہو گیا تھا اب وہ بھی اس کے ساتھ نہیں کھیلتا تھا۔ سارا دن وہ ہوتا اماں بھریو اور ماسی جیجاں پھر نیم کا درخت پھر گھر واپسی درمیان میں جو جہاں سے ملتا کھا لیتا۔

ایک دن اختر اسکول سے گھر آیا تو اس کے ساتھ ایک بچی تھی اس نے پہلی دفعہ اسے دیکھا تھا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے اختر سے پوچھا۔

"میرے اسکول میں میرے ساتھ پڑھتی ہے۔ اسکول میں پانی ختم ہو گیا تھا تو میرا گھر قریب تھا۔ اسے بھی پیاس لگی تھی یہ بھی میرے ساتھ آ گئی ۔"

"تم اسکول نہیں جاتے۔" اس لڑکی نے اس سے پوچھا۔

"اسکول!" اس نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"نہیں میں کیوں اسکول جاؤں۔"

اس کا جواب بھی اس ہی جیسا تھا۔

"اختر تمہارا دوست ہے۔" اس نے اپنی بڑی سی آنکھیں مٹکا کر پوچھا۔

"ہاں!"

"تو یہ تو اسکول جاتا ہے۔ پتا ہے میری امی کہتی ہیں اچھے بچے اسکول جاتے ہیں۔"

"اور یہ اچھا بچہ نہیں ہے۔" اختر نے اسے چڑایا۔

"نہیں یہ بھی اچھا ہے۔ تم بھی اسکول داخل ہو جاؤ۔ پھر تم بھی اچھے بچے بن جاؤ گے۔" معصومیت سے بولی۔

وہ صرف اسے دیکھ رہا تھا اور اسے سن رہا تھا وہ پانی پی کر واپس چلے گئے۔ اس نے انہیں جاتے دیکھا۔ گلی کے اختتام پر نکڑ پر ہی اسکول تھا۔ وہ ان کو دیکھتا رہا۔ "اچھا بچہ" اس کے دماغ میں اچھل کود کرتا رہا۔ وہ آج شدت سے ماسی جیجاں کا انتظار کر رہا تھا۔

اماں بھریو باہر دھوپ میں بیٹھی اپنے دوپٹے سے اپنے ہاتھوں کو صاف کر رہی تھی اس کے ایک طرف مالٹے ایک ٹوکری میں پڑے تھے۔ اماں کا ایک بیٹا تھا۔ اکثر ہی اماں اسے ڈانٹتی رہتی تھی کہ وہ شادی نہیں کرتا اماں کا بیٹا بابو تھا اکثر پینٹ شرٹ پہنتا تھا۔ مگر وہ بابو نہیں بننا چاہتا تھا وہ فیکا چڑی باز کو پسند کرتا تھا سارا محلہ اس سے ڈرتا تھا اماں بھریو کے علاوہ، اماں تو اسے کبھی پتھر بھی اٹھا کر مار دیتی تھی مگر وہ ہنستا رہتا تھا۔

وہ جب بھی سوچتا وہ کیا بنے گا تو فیکا چڑی باز ہی ذہن میں آتا وہ ایسا بننا چاہتا تھا جس سے سب ڈریں۔

وہ اماں بھریو کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اماں موڈ کی پابند تھی موڈ ہو تو اماں سب سے اچھی ورنہ تو کون میں کون۔

"کیسی ہے اماں؟" اس نے مالٹوں کی ٹوکری کو دیکھ کر اماں کا حال پوچھا۔

"اچھی ہوں! بس اب تیئں پُھٹ میں جانو تیرے دیدے کہاں پر ہیں۔"

"ایک دے دے ناں اماں ورنہ میں تیرا کوئی کام نہیں کروں گا۔"

"نہ کریو! منے لور نہیں تیری۔"

"میں اسکول میں داخل ہو جاؤں گا پھر ترسے گی میری شکل کو۔"

"نہ جائیو اسکول! کہیں کا نہ چھوڑیں گے تجھ کو۔"

"نہ اب تو جاؤں گا۔" اس نے اماں کو اور ڈرا دیا۔

اتنے میں اسے ماسی جیجاں نظر آئی سرکنڈوں کی گٹھری سر پر اٹھائے وہ آ رہی تھی اس نے اماں پر وقت کو ضائع کرنا سمجھا لپک کر ماسی جیجاں کی گٹھری نیچے اتروانے میں اس کی مدد کی۔

"ماسی میں نے اسکول میں داخل ہونا ہے اختر کی طرح۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"تو پڑھے گا۔ سارا دن تو کھیلتا رہتا ہے۔"

"نہیں ماسی میں پڑھنا چاہتا ہوں اسکول جاؤں گا تو مجھے اسکول میں داخل کروا دے۔"

"مگر تیرا ابا پہلے اس سے پوچھ لے مجھے تو خود نہیں اتنا پتا۔"

"تو میرے ساتھ اسکول چل بس وہ مجھے داخل کر لیں گے۔"

"پر پتر پہلے اپنے باپ سے تو پوچھ لے۔"

"تو پوچھ لے ماسی۔ تیری تو ابا سنتا ہے میری تو مانے گا ہی نہیں۔"

"اچھا شام کو جب وہ آئے گا تو بات کروں گی۔"

بہت مشکل سے شام ہوئی ابا آیا تو وہ ماسی کے پاس پہنچ گیا۔

"چل ماسی ابا آگیا ہے۔"

"اچھا چل۔"

ابا شام کو آٹا گوندھ رہا تھا جب ماسی آئی۔

"لالا سلام۔"

"سلام! کیسی ہے تو بہن۔"

"بس ٹھیک۔ تو کالے کو اسکول کیوں نہیں داخل کروا دیتا سارا دن تو تو گھر نہیں ہوتا یہ اِدھر اُدھر پھرتا رہتا ہے۔ اسکول جائے گا تو چلو کچھ سیکھ لے گا۔" ماسی سیدھی بات کرنے کی عادی تھی ۔ ابا پہلے تو چپ رہا پھر بولا۔

"نہیں بہن کیا کرے گا اسکول جا کر صرف سوال ہی زیادہ ہوں گے۔ اور میں اس کی زندگی کا سکون نہیں ختم کرنا چاہتا۔"

"پر لالا شوق ہے نمانے کو جانے دے ضد کر رہا ہے۔ میں دے دیا کروں گی اس کے سوالوں کے جواب تو نہ دینا۔" ماسی کو بھی کچھ غصّہ آگیا۔

"کیسا باپ ہے تو دو حرف پڑھے گا تو کوئی ڈھنگ کا کام کرے گا۔ عزت سے کما لے گا۔"

ابا چپ رہا۔

"پھر کیا جواب ہے تیرا؟""اس کی مرضی ہے تو ٹھیک ہے مگر میں پھر بھی اس حق میں نہیں۔"

"بس اب اگر مگر چھوڑ کل میں خود ہی اسے داخل کروا آؤں گی۔"

وہ کبھی ماسی کو دیکھتا کبھی ابے کو دونوں چپ تھے ماسی اٹھی۔

"اچھا میں چلتی ہوں۔"

اگلی صبح ماسی جلدی آگئی۔ جب وہ دونوں اسکول گئے تو دن کافی چڑھ چکا تھا۔

چوکیدار نے انہیں پہلے تو اندر ہی جانے نہ دیا پھر بہت منت کر کے وہ ہیڈ مسٹریس کے آفس پہنچے تو پتا چلا کہ وہ ایک ماہ تاخیر سے آیا ہے اس لیے داخل نہیں ہو سکتا۔ بہت کہنے سننے پر بھی وہ اسے داخلہ دینے پر راضی نہ تھے۔

ماسی نے بہت سمجھایا، آخر ایک مس کے دل میں رحم آگیا۔

"ٹھیک ہے اگر یہ نہ چلا تو پھر ہمارے پاس شکایت لے کر نہ آنا۔"

"نہیں آؤں گی جی۔ یہ محنت کرے گا کیوں کرے

گا ناں" ماسی نے اس کی طرف دیکھا اس نے بڑا سا سر ہلا کر ہاں میں جواب دیا۔

"اچھا چلو فارم بھریں۔ کیا نام ہے تمہارا۔"

مس نے اس سے پوچھا۔

"کالا جی!"

"کالا یہ کیا نام ہے۔ اصل نام بتاؤ۔"

"اصل! اصل نام اس کا ہے جی حیات۔" ماسی جلدی سے بولی ۔

"ٹھیک ہے کل کتابیں وغیرہ لے کر صبح آٹھ بجے اسکول آجانا۔"

اگلے دن سے اس کا اسکول شروع ہو گیا۔ وہ اس لڑکی کی کلاس میں تھا۔

اسے سمجھ آگیا تھا کہ وہ اسکول کیوں آنا چاہتا تھا۔

ایک دن وہ اس کے ساتھ ٹاٹ پر بیٹھا تھا۔

"تمہارا کیا نام ہے؟"

"کالا" وہ ساری کلاس کے لیے بھی کالا تھا اب تو مس بھی اسے کالا ہی کہتی تھیں۔ اس کا رنگ گہرا سانولا تھا۔

"تمہارا کیا نام ہے؟" کالے نے پوچھا۔

"خوش بخت، اسکول کے سامنے میرا گھر ہے تم میرے گھر آؤ گے؟"

"ہاں۔" کالے نے خوشی سے کہا۔

پھر وہ کبھی کبھی اس کے ساتھ اس کے گھر چلا جاتا مگر اس کی ماں اس کا آنا پسند نہ کرتیں مگر جب وہ باہر کے کام کر دیتا تو وہ بھی اس سے خوش ہو جاتیں۔

وقت یوں ہی گزرتا گیا کالے کو احساس ہی نہ تھا کہ وہ اسکول کیوں داخل ہوا ہے۔ امتحان ہوئے تو کالا شاندار طریقے سے فیل ہو گیا۔ مس نے اونچی آواز میں بتایا کہ فیل ہونے والا بچہ صرف ایک ہے وہ ہے کالا۔

کالے نے بہت خوش ہو کر یہ سنا اور گھر واپس آ گیا۔ ماسی نے تنور پر ماسی کے پاس رک گیا۔ وہ بہت خوش تھا۔

"ماسی تمہیں پتا ہے میں فیل ہو گیا ہوں۔"

" ہائے میں مر جاواں۔ اوئے میں تیرے باپ کو کیا جواب دوں گی کہ فیل ہونے کے لیے تجھے داخل کروایا تھا۔"

کالا کو احساس ہی نہیں تھا کہ فیل پاس کیا ہوتا ہے۔ ——— اتنا سادہ ہر گز نہ تھا مگر کچھ جگہ وہ احمقانہ حد تک ——— تھا۔

"تو کیا ہو گا ماسی" وہ وہیں تنور کے پاس بیٹھ گیا۔

"اب کیا ہو گا باقی بچے جائیں گے اگلی کلاس میں تو رہے گا اسی کلاس میں بس اور تو کچھ نہیں ہو گا۔"

"سب اگلی کلاس میں چلے جائیں گے۔"

"ہاں۔"

"خوش بخت بھی؟"

"ہاں وہ بھی۔"

"تو مجھے پاس کروا دے ماسی چل کر۔"

"نہ میں تو نہ جاتی۔"

"چھوڑ پڑھنے کے خیال کو۔ بس تو نہیں پڑھ سکتا۔"

"ماسی ایک بار صرف ایک بار مس سے بات کر میں سارا قاعدہ یاد کر لوں گا۔ ماسی صرف ایک بار میری خاطر۔"

اسے بس یہ احساس مارے دے رہا تھا کہ وہ خوش بخت کی کلاس میں نہیں رہے گا۔

اگلے دن بہت منت کرنے پر ماسی جیجاں اس کے اسکول میں اس کی مس کے سامنے بیٹھی اس کی منتیں کر رہی تھی مگر مس تھی کہ مان کر ہی نہیں دے رہی تھی۔

"کوئی تو حل ہو گا بی بی اس کا۔"

"اگر یہ ایک ہفتے میں پورا قاعدہ یاد کر کے سنا دے تو میں اسے اگلی کلاس میں کر دوں گی مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ پڑھے گا ورنہ پھر میرے پاس نہ آنا۔"

"بہت مہربانی جی۔"

اس نے وعدہ تو کرلیا تھا کہ ایک ہفتے میں قاعدہ یاد کر کے مس کو سنا دے گا مگر وہ یہ قاعدہ پڑھے گا کس سے۔
اس کا یہ مسئلہ اماں بھریو کی مہربانی سے حل ہوگیا۔ اماں کا بیٹا اس کے کہنے پر اسے پڑھانے
راضی ہوگیا۔ وہ کام جو فیکا چڑی باز نہیں کر سکتا تھا وہ صرف اماں بھریو کا بیٹا۔ بلکہ نہیں بابو کر سکتا
تھا اب وہ بابو کی طرح بننا چاہتا تھا اس نے قاعدہ چار دن میں یاد کرلیا بابو جس نے کہا
کہ وہ اسے سر کہا کرے کہ بقول یہ بچہ ویژول میموری کا حامل ہے۔
اسے دو انعام ملے اگلی کلاس میں پرموشن اور سر۔۔۔ پھر وہ چلا نہیں دوڑا اس میں اس کے سر کا
بہت ہاتھ تھا۔
وہ اسے اکثر کہتے "یہ جاننے کے بعد کہ تو عام ذہن کا بچہ نہیں تجھے نہ پڑھا کر میں ایک ذہین انسان کو ضائع نہیں
کرنا چاہتا۔"
پانچویں جماعت تک خوش بخت اس کے ساتھ رہی۔ یہ اسکول صرف پرائمری تک تھا پھر وہ الگ
الگ اسکولوں میں چلے گئے۔
اس کا گھر اس کے گھر سے تھوڑا دور تھا۔ وہ کبھی کبھی ان کے گھر چلا جاتا مگر پھر جانا بہت کم ہوگیا۔
جب حیات میٹرک میں تھا تو وہ لوگ گھر تبدیل کر کے چلے گئے۔
اسے پہلی دفعہ پتا چلا کہ ایک انسان کو اتنے انسانوں کے سمندر میں ڈھونڈنا بہت مشکل ہے اس نے بہت
کوشش کی مگر ناکام رہا۔ یہاں تک کہ بے بسی سے اس نے رونا شروع کر دیا۔
"کیا ہوا ہے حیات تمہیں۔" سر اسے کالا نہیں کہتے تھے۔
"وہ جو سڑک کے پار رہتے تھے وہ گھر چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں۔" اس نے آنسو صاف کیے۔

"تو اس میں رونے کی کیا بات ہے۔" انہوں نے شفقت سے اس کی طرف دیکھا۔
"خوش بخت بھی چلی گئی اب وہ مجھے کیسے ملے گی۔ مجھے تو پتا بھی نہیں وہ کہاں چلے گئے ہیں۔"
"خوش بخت کون؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔ یہ بہت مشکل سوال تھا جس کا جواب شاید ابھی
اس کے پاس بھی نہیں تھا۔
"وہ جو بچپن میں میرے ساتھ پڑھتی تھی۔"
"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کہاں گئی۔"

فرق پڑتا ہے سر۔"
"کیا؟" اب وہ اس سے جرح کر رہے تھے۔
"پتا نہیں پر اب میں اسے کیسے دیکھوں گا۔"
"اچھا!" انہوں نے اچھا کو لمبا کھینچا۔
"تو پھر وہ تمہیں ضرور ملے گی کہیں نہ کہیں۔" اس نے انہیں بے یقینی سے دیکھا۔
اس نے میٹرک کے پیپر زدیئے اور ساتھ ہی کام کرنا شروع کر دیا۔ پہلے ایک ہوٹل میں حساب کتاب کا
کام کیا پھر ایک اکیڈمی میں پڑھانا شروع کر دیا جب اس نے خود کمانا شروع کر دیا تو اس
میں اعتماد پیدا ہوا اب وہ اپنی ضرورتیں خود پوری کر سکتا تھا۔
وہ اپنی زندگی میں پوری طرح مگن ہوگیا تھا۔ سر عارف کہتے تھے کہ وہ تو مقابلے کا امتحان دے گا۔
محنت کر، افسر بننے کے لیے اب صرف تیری ہمت ہی کام آئے گی اللہ کا فضل شامل رہا

تو وہاں پہنچے گا جہاں جانے کے کچھ لوگ ساری زندگی خواب ہی دیکھتے ہیں۔

مگر اب کالے کو کافی عقل ہوگئی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ پڑھے گا تو یہ معاشرہ اسے آگے جانے کی جگہ دے گا ورنہ وہ کچلا جائے گا اسے خوش بخت کو حاصل کرنے کے لیے "لاشے" سے "شے" کا سفر طے کرنا ہوگا۔ اس کے لیے اس کے پاس ایک ہی چیز ہے اس کی ذہانت! وہ اب بھی لوگوں میں اسے ڈھونڈتا رہتا تھا۔ وہ اس کا مرکز بن چکی تھی۔ جس کے گرد چکر لگانا اب اس کا مقدر بن چکا تھا۔ وہ اکثر اسے پہلے دن سے سوچنا شروع کرتا۔

کتاب کا پہلا ورق پڑھتا جب وہ پہلی دفعہ ملی تھی اور آخر تک کتاب پڑھتا۔ مگر ابھی کتاب کے اور باب بھی تھے وہاں کیا لکھا جانا تھا وہ نہیں جانتا تھا۔

وہ پڑھتا بھی تھا اور مختلف کام بھی کرتا اب اس کا لائف اسٹائل کافی بدل چکا تھا۔ وہ اور اس کا باپ اب بھی اسی ایک کمرے کے گھر میں رہتے تھے مگر الگ الگ، نہ کبھی اس کے باپ نے اس سے زیادہ گھلنے ملنے کی کوشش کی نہ وہ آگے بڑھتا بلکہ وقت کے ساتھ

ساتھ اس کی اپنے باپ سے نفرت واضع اور زیادہ ہو چکی تھی۔

وہ اب بھی کھانا کھاتا تھا مگر باہر سے، چائے پیتا مگر پاؤڈر کے دودھ کی۔ وہ اپنی کسی سہولت میں اپنے باپ کو شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ وہ یہاں سے فرار ہونا چاہتا تھا مگر اسے پتا نہیں تھا

کہ کہاں جائے کہ ماضی سے پیچھا چھوٹے۔ ماضی سے یا اپنے باپ سے؟

+++++++++++++

آپ کی زندگی میں کوئی آتا ہے تو تبدیلی ہوتی ہے۔ کبھی کسی کے جانے سے بدلاؤ محسوس ہوتا ہے۔ مگر ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں کہ جب وہ آپ کی زندگی میں آئیں تو آپ بہت بدل جائیں۔ مگر جب وہ جائیں تو شاید آپ رہیں ہی نہیں ۔ یعنی زیرو۔

آسیہ جب میری زندگی میں تھی تو مجھے زندگی بہت اچھی لگنے لگی جیسے پرندہ پہلی دفعہ اُڑنا سیکھتا ہے۔

مگر جب وہ مجھے چھوڑ کر میرے گھر کے دروازے سے باہر نکل گئی تو میرا ایک حصّہ مر گیا جو احساس سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر مجھے ان چہروں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا جو پہلے میرے لیے بہت اہم تھے۔

میں موچی بن گیا پھر موچی سے کب کبا موچی بنا۔ لوگ کیا کہتے ہیں میرے لیے لایعنی ہے۔

"نہ ہونا" اور "ہونا" برابر ہو گیا ایک چیز نہ بدل سکی ماں سے محبت اور آنسو۔ میرے آنسو آج بھی نکل آتے ہیں پتا نہیں ان احمقوں کو کوئی آسیہ کب ملے گی۔ کالے نے پڑھنا شروع کر دیا وہ مجھ سے دور بہت دور ہوتا گیا۔

مجھے بس یہ یاد رہا کہ جسم کا جان سے تعلق برقرار رکھنے کے لیے مجھے کام کرنا ہے۔ مگر بابا موچی سے جب میں آسیہ کے جانے کے بعد ملا تو اس نے بھی مجھے کافی تبدیل کیا۔

میں آسیہ کے جانے کے بعد جامد سا ہو گیا۔ اگر کالا روتا نہیں تو مجھے محسوس بھی نہیں ہوتا کہ وقت
چل رہا ہے۔ زندگی دوڑ رہی ہے۔ جب میں بابا کے پاس گیا تو میرا ان سے ملنے اور ان کی
باتیں سننے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر میں ان کے پاس گیا اور چپ سا ان کے پاس
ہی تھڑے پر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا ارشد؟" شاید وہ میری حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

"بابا آسیہ مجھے چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلی گئی! کیا میں کبھی بھی کسی کے لیے قابل قبول نہیں۔

میرا—— ساتھ کسی کے ساتھ نہیں۔ کیا اس دنیا میں لوگوں کے مذاق یا وقت گزاری یا
بے چارہ سننے کے لیے پیدا ہوا ہوں کیا اللہ اس کے دل میں میرے لیے اتنی محبت بھی نہیں ڈال سکتا
تھا۔ کہ وہ میرے ساتھ رہ لیتی ۔

میرے لیے کیا ہے بابا۔ ماں تھی چلی گئی ۔ تہی دامنی بس یہی ہے میرے لیے ۔ کیا میں خود ایسا
بنا۔" میرے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

"خواہش تو رولے گی ہی پتر۔" آج انہوں نے میرا نام نہیں لیا تھا۔

"خواہش ہوتی ہی ایسی ہے پتھروں پر کانٹوں پر کھینچ کر لہولہان کر دیتی ہے۔ پتا ہے یہ خواہش بھی عجیب
ہے کبھی بھاگتے پھرو نہیں ملے گی ۔ کبھی خود ہی آ کر گود میں بیٹھ جاتی ہے۔ پیار سے آپ
کو دیکھتی ہے۔ لاڈ کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا آپ کے چاہنے سے آپ کی خواہش پوری ہو
جاتی ہے۔

نہیں یہ فیصلہ کہیں اور ہوتا ہے۔ آسان حل ہے مان لو! ہتھیار ڈال دو۔ ذات کی ساری کھڑکیاں
بند کر کے دروازے پر تالا ڈال دو۔ بس ---"

"کہنے اور سننے سے سب بدل تو نہیں جاتا ناں بابا۔ گزرنا اور چیز ہے کہنا اور ہونا الگ ہے دیکھنا الگ
۔" میں نے ہاتھوں سے چہرہ صاف کیا۔

"کوشش تو کر پتر ناکام کوشش ہی۔" بابا نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔

پھر میں نے کوشش کی پتا نہیں کامیاب یا ناکام۔

++++++++++++++

اس نے—— یونیورسٹی میں
ایڈمیشن لے لیا اور ساتھ سی۔ ایس ۔ ایس کی تیاری کرنا شروع کر دی ۔ سر عارف نے اسے بہت
پالش کیا۔ پتھر کو ہیرا بنانے کی کوشش کی ۔

اسے نہیں پتا تھا جسے وہ چار سال سے ڈھونڈ رہا تھا وہ اسے یونیورسٹی میں ملے گی۔

وہ باٹنی ڈیپارٹمنٹ میں تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔ اس نے اس کی طرف دیکھا ہی نہیں
تھا۔ مگر وہ اس خوشی میں پوری رات نہ سو سکا۔

اگلے دن وہ اس کے ڈیپارٹمنٹ میں تھا۔ وہ اپنی دوست کے ساتھ بنچ پر بیٹھ کر کچھ ڈسکس کر رہی

تھی -

"کیسی ہیں آپ؟" وہ اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اس نے حیران ہو کر دیکھا-

"آپ؟"

"میں وہ- ہم اسکول میں اکٹھے پڑھتے تھے پرانی محلے میں جہاں آپ رہتی تھیں حیات نام ہے-
یاد آیا آپ کو-"

"سوری، میں نے آپ کو نہیں پہچانا-" وہ نے انتہا مایوس ہو گیا اور واپسی کے لیے مڑ گیا-

"اب کیا ہو گا جسے میں بھولا نہیں- اسے تو میں یاد بھی نہیں-" اس نے افسردگی سے سوچا-

"حیات آپ اب بھی کنچے کھیلتے ہیں یا سارے گم ہو گئے-" اس کی آواز آئی- اس نے مڑ کر اسے دیکھا
وہ مسکرا رہی تھی -

"مجھے سب یاد ہے میں تو مذاق کر رہی تھی-"

"مجھے پتا تھا آپ مجھے بھول نہیں سکتیں-" اس کی خوشی سے آواز نہیں نکل رہی تھی -

"کنچے اب بھی میرے پاس ہیں- گم نہیں ہوئے-" اس نے مسکراتے ہوئے کہا-

"آپ کے فادر کیسے ہیں؟"

"اچھے ہیں-" اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا-

"وہ مجھے بہت یاد آتے تھے- میں نے کئی دفعہ سوچا ان سے ملنے جاؤں گی - آپ سے بھی
ملاقات ہو گی مگر بس زندگی اتنی مصروف تھی کہ ایسا ہو نہیں سکا میری طرف سے انہیں

ضرور سلام کہیے گا- میں ملنے آؤں گی ان سے کبھی -"

وہ جو سب کے ساتھ بے تکان بول سکتا تھا اسے صرف سن رہا تھا-

"ضرور-"

وہ چلی گئی- " اسے ابا ابھی بھی یاد ہے اور میں --- ابا کیوں ---؟"

+++++++++++++

آج کل ایسے لگ رہا تھا کہ وہ دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان ہے- وہ کئی دفعہ ملے- بات چیت منٹوں
سے گھنٹوں تک پہنچ گئی وہ اکثر ابے کے بارے میں بات کرتی اور بہت احترام سے جیسے بہت قابل احترام
شخصیت ہو- اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اسے بتائے کہ وہ اسے بچپن سے پسند کرتا ہے مگر
ہمت نہ ہو سکی اس نے کئی دفعہ سوچا کہیں دیر نہ ہو جائے-

ایک دن وہ دونوں باتیں کر رہے تھے کہ بات محبت پر چل نکلی-

"آپ محبت پر یقین رکھتی ہیں؟" "ہاں! کیوں نہیں- ہر انسان اس پر یقین رکھتا ہے-"

"آپ نے کبھی کی؟"

"کیا؟" اس نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا-

"یہی— محبت!" اس نے نظریں جھکالیں۔

"نہیں، کیوں کہ میرا خیال ہے۔ محبت زندگی کو آسان بناتی ہے تو مشکل بھی -ویسے بھی ایسا کوئی ملا بھی نہیں۔"

"اگر کوئی آپ سے محبت کرے۔" اب وہ ارد گرد دیکھ کر بات کر رہا تھا مگر اس کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"تو میں اس سے کہوں گی کہ میرے ماں باپ کے پاس جائے۔ اگر انہیں وہ قبول ہوگا تو مجھے بھی ہوگا۔ آپ نے کی کبھی محبت -"

"کس سے؟"

"خوش بخت سے صرف خوش بخت سے۔"

وہ اس کی طرف ایسے دیکھ رہی تھی جیسے یہ سب جانتی ہو۔

"ایک دن میں اس قابل ہو جاؤں گا کہ آپ کو آپ کے لائف اسٹائل کے مطابق زندگی دے سکوں کیا آپ میرا ساتھ دیں گی۔ " وہ اسے سب بتاتا گیا جو وہ صرف سوچتا تھا۔

"پتا ہے حیات آپ کا سب سے بڑا پلس پوائنٹ کیا ہے؟"

"کیا؟"

"آپ کے فادر۔ میں نے ایسے صابر اور شاکر انسان بہت کم دیکھے ہیں۔ وہ مجھے بہت انسپائر کرتے تھے بچپن سے۔ میں آپ سے ملتی بھی آپ کے فادر کی وجہ سے تھی - وہ بچپن کا

اثر مجھے کبھی آج بھی محسوس ہوتا ہے۔ اتنے میٹھے انسان کہ بس۔

میرے فادر بہت غصّے والے ہیں مگر جب میں آپ کے والد کو دیکھتی تھی کہ وہ کبھی بھی آپ پر غصّہ نہیں ہوتے تھے۔ اتنے محنتی - آپ کو بھی ان پر بہت فخر ہوتا ہوگا۔"

"آج بہت سردی ہے۔" اس نے دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑا۔

"ہاں! سردی تو ہے۔"

"چائے پیئیں گی آپ؟"

"ہاں۔"

وہ اپنے باپ کو ماضی بنانا چاہتا تھا مگر وہ تو اس کے حال اور مستقبل میں گھس رہا تھا۔

+++++++++++++

وہ گھر آیا تو شام ہو چکی تھی۔ وہ تمام راستے اپنے باپ کے متعلق سوچتا ہوا آیا تھا جس کے بارے میں اس نے کبھی سوچا نہیں تھا۔

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی ابا صحن میں نظر آیا وہ اپنے کپڑے دھو رہا تھا۔ وہ اندر کمرے میں چلا گیا اور چارپائی پر لیٹ گیا یہاں سے ابا صاف نظر آرہا تھا۔ وہ صابن کی ٹکیا کو کپڑوں پر رگڑ رہا تھا۔

شروع ہی سے اس نے دیکھا تھا کہ ابے کے پاس کل تین جوڑے تھے۔ دو جوڑے وہ بدل کر پہنتا تھا ایک دھوتا اور دوسرا پہن لیتا۔ تیسرا جوڑا جمعہ اور عید کے دن نکلتا تھا اور دھل کر دوبارہ ٹرنک میں چلا جاتا تھا۔ جمعہ کے دن وہ صبح سویرے نہا کر اپنا جوڑا پہن لیتا اور عطر کی ایک چھوٹی سی شیشی اس کے پاس تھی جو وہ جمعہ اور عید کے دن کپڑوں پر ضرور لگاتا۔ جمعہ کی نماز وہ ہمیشہ مسجد میں پڑھتا۔ جب وہ چھوٹا تھا تو کبھی کبھی ابے کے ساتھ مسجد چلا جاتا تھا ابا سب سے پہلے جا کر مسجد میں اگلی صف میں بیٹھتا تھا مگر جب جمعے کا خطبہ شروع ہوتا تو ابا آگے سے پیچھے سرکنا شروع ہوجاتا کوئی نہ کوئی اسے پچھلی صف پر بھیج دیتا۔ جب جمعہ کی نماز شروع ہوتی تو ابا اکثر جوتوں کے قریب ہوتا۔ مگر ابا کبھی بھی اس چیز سے خفا نہ ہوتا وہ خاموشی سے آگے سے پیچھے منتقل ہوجاتا اس کا سر جھکا ہوتا۔

ابے کی خواہش نہ ہونے کے برابر تھی وہ جو سبزی سب سے سستی ہوتی وہ پکالیتا۔ جو دو دن بھی چل جاتی ہفتے میں دو ایک دن چٹنی سے بھی گزارا ہوتا ایک چارپائی ایک ٹرنک ایک پلاستک کی جوتی چند برتن بس اس کی کل دنیا تھی۔ صبح آٹھ بجے سے پانچ بجے تک وہ سامنے سڑک کے کنارے ہوٹل کے پاس جوتے گانٹھنے کا کام کرتا۔ دن سے رات اور رات سے دن بس یہی ۔ ایسی کیا خاص بات ہے جو خوش بکت کو آج بھی اس کا باپ نا صرف یاد ہے بلکہ وہ اس سے متاثر ہے۔

ایسے باپ سے جس کا پورے محلے میں کوئی اصل نام بھی نہیں جانتا تھا۔" کبا موچی" یہ تھی شناخت اس کے باپ کی ۔ ایسا تو کچھ اس میں خاص نہیں۔

آج وہ ذہن پر بہت زور دے رہا تھا کہ وہ اپنے باپ سے محبت کیوں نہیں کرتا۔

"اگر محبت نہیں کرتا تو کیا کرتا ہوں کیا نفرت؟" اس کا کوئی جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

"ہاں وہ اپنے باپ کو اپنی کتابِ زندگی سے غائب

ضرور کرنا چاہتا تھا۔ بچپن سے کبا موچی اس کی زندگی کا داغ بن گیا تھا۔ جیسے انتخابی نشان ۔ ایسے ہی اس کی ذات کا حصّہ کبا موچی کا بیٹا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ابا کپڑوں کو تار پر ڈال رہا تھا جو اس کے لیے مشکل کام تھا۔ مگر شاید مشکل کام کرنا ہی اس کا خاصہ تھا۔

+++++++++++++

تہجد کا وقت ہو گیا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا کالا شاید پڑھتے پڑھتے سو گیا تھا وہ کوئی بہت بڑا امتحان دینے والا تھا جس میں پاس ہونے کے لیے وہ بہت محنت کر رہا تھا۔ پھر وہ بہت بڑا افسر بن جاتا۔ یہ باتیں مجھے جیجاں نے بتائی تھیں۔

جب کالا اسکول میں داخل ہوا تو میں بہت ڈر گیا شاید وہ بھی ان سمجھدار لوگوں جیسا ہو جائے گا جن کے نزدیک جاہل وہ ہے جو ان پڑھ ہے مگر ایسا ہوا نہیں میرے علاوہ بھریو جیجاں سے اور لوگوں سے اس کا تعلق ویسا ہی تھا جیسا پہلے تھا۔ بس میرے ساتھ وہ زیادہ باتیں نہیں کرتا میرے لیے اس کی آنکھوں میں کوئی رنگ نہیں تھا۔

جب وہ پہلی جماعت میں فیل ہوا تو بہت رویا- اس کے آنسو میرے دل پر گر رہے تھے پھر میری دعاؤں میں اس کے لیے دعا لازمی ہوگئی پتا نہیں میری دعا یا اس کی محنت یا دونوں وہ آگے ہی بڑھتا گیا-

اور میری دعا ہے اسے وہ سب ملے جو اسے چاہیے کالا خالی جھولی کے ساتھ نہ رہے - چاہے مجھ سے بہت دور رہے -

++++++++++++++

جس دن سی- ایس - ایس کا رزلٹ اخبار میں آیا اس کا نام ٹاپ ٹین میں تھا- سول سروس میں جانے کا اس کا خواب کچھ ہی دور تھا وہ بہت خوش تھا-

یہ خوش خبری سنانے کے لیے وہ خوش بخت کو ڈھونڈ رہا تھا وہ لان میں بیٹھی تھی-

"کیا بات ہے حیات؟ خیر ہے کوئی خزانہ تو ہاتھ نہیں لگ گیا-" اس نے کتابیں اکٹھی کیں اور کھڑی ہوگئی -

"وہ میں سی- ایس - ایس میں پاس ہوگیا ہوں-"

"مبارک ہو! پھر تو ٹریٹ ہونی چاہیے- بھئی اس کے بعد تم کون سے نظر آؤ گے پھر تو ٹائم لے کر ملنا پڑے گا-"

"نہیں آپ کے لیے نہیں-" خوشی اس کے قابو سے باہر ہو رہی تھی - مگر وہ اپنے آپ کو کول کرنے کی کوشش کر رہا تھا-

"حیات تمہارے والد تو بہت ہی خوش ہوں گے- آج ان کو اپنی محنت کا صلہ ملے گا ان کے لیے تو عید کا دن ہوگا-"

"آپ چائے پیئیں گی میرے ساتھ-"

"وہ کینٹین میں ایک ٹیبل پر بیٹھ گئے-

"آج میں آپ سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں-" وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی -

"پتا ہے آپ مجھے سب سے اچھی کب لگیں جب آپ نے مجھے کالا نہیں کہا میرا نام لیا تھا- ہماری پہلی ملاقات، تب میں آپ کے اخلاق سے متاثر ہوا تھا- ایسا رویہ میری زندگی میں پہلی دفعہ روا رکھا تھا کسی نے، اسکول میں آپ کی وجہ سے داخلہ لیا- آپ ایسا عمل تھیں جس کے ردِ عمل میں، میں نے پڑھنا شروع کیا- پھر جب آپ اپنا گھر بدل کر گم ہوگئیں تو کوئی دن تو مجھے سمجھ نہیں آیا کہ اب میں زندگی میں کس کے لیے کوشش کروں گا- میں محور سے ہٹ گیا-

مگر پھر مجھے امید ہوئی کہ آپ مجھے ضرور ملیں گی- کب؟ یہ پتا نہیں تھا- مگر میں آپ کو آج بتانا چاہتا ہوں- یہ سب آپ کی وجہ سے ہے-

مجھے بعد میں پتا چلا کہ آپ مجھے اچھی لگتی ہیں اور اب شاید میں زندگی آپ کے بغیر گزروں اس کا تصور بھی میرے پاس نہیں- میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا- میں آپ کے والدین سے آج ہی آپ کے متعلق بات کرنا چاہتا ہوں- آپ میری مدد کریں گی ناں-"

"حیات اتنی جلدی کیا ہے پہلے میں گھر میں بات کرلوں- وہ ذہنی طور پر تیار ہو جائیں-"

"پلیز خوش بخت میں صرف آپ کی والدہ سے بات

کروں گا نہیں بتاؤں گا کہ میں آپ کی بیٹی کے لائق ہوں۔ وہ مجھے نہیں ٹالیں گی پلیز۔ میں آپ کو دوبارہ کھونا نہیں چاہتا۔"

"مگر! اتنی جلدی۔" وہ متذبذب تھی -

"کل جب آپ یہاں ہوں گی تو میں آپ کے گھر جاؤں گا۔ بس آپ اپنی والدہ کو بتا دیں۔ کہ کوئی ان سے ملنا چاہتا ہے۔"

"مگر!"

"اگر مگر نہیں پھر میں اکیڈمی چلا جاؤں گا۔ اس سے پہلے ہی -"

"اچھا۔"

"تو کل پھر!"

"اچھا بابا۔ مگر میرا فیصلہ وہی ہوگا جو میرے والدین کا ہوگا۔" اس نے کہا۔

وہ سارا راستہ یہ سوچتا گیا تھا کہ اسے خوش بخت کی والدہ سے کیا کہنا ہے۔ مگر وہ حقیقت میں بہت نروس تھا۔

جب اس نے ان کے گھر کی بیل بجائی تو دل نارمل رفتار سے نہیں دھڑک رہا تھا۔ ایک لڑکے نے دروازہ کھولا۔

"جی آپ کون؟"

"میں حیات محمد! مجھے خوش بخت کی والدہ سے ملنا ہے۔"

"جی اچھا رکیں۔" وہ اسے باہر ہی کھڑا چھوڑ کر اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ آیا، اب وہ اس کی اندر کی طرف راہنمائی کر رہا تھا۔ ایک کمرے میں اسے صوفے پر بٹھا کر وہ پھر غائب ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک خاتون اندر آئیں وہ خوش بخت کی والدہ تھیں۔

"السلام علیکم آنٹی۔" وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"جیتے رہو میں ٹھیک ہوں۔ خوش بخت نے رات مجھے بتایا تھا کہ تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو۔"

"جی! وہ بات یہ ہے آنٹی کہ میرا بڑا تو کوئی نہیں اور میرا کوئی بہت قریبی رشتے دار بھی کوئی نہیں۔"

"کیوں تمہارا باپ تو ہے۔ شاید!" انہوں نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی! مگر وہ کہیں زیادہ آتے جاتے نہیں۔"

"اس لیے کہ بے چارہ کہیں آتے جاتے شرم محسوس کرتا ہے۔" وہ طنز اور حقارت سے بولیں۔

"جی مگر اس وقت میں صرف اپنے متعلق ہی بات کرنے آیا ہوں آپ مجھے اکیلا ہی سمجھیں اس دنیا میں۔"

"اچھا! تو کیا کرتے ہو۔ تم -"

"جی میرا ابھی۔ - - " وہ بول ہی رہا تھا کہ وہ بات کاٹ کر بولیں۔

"تعلیم مکمل کر کے تم کیا کر لوگے کچھ ہزار کی نوکری کے لیے ہی کئی مہینے تمہیں دھکے کھانے پڑیں گے۔ پھر تمہارا نہ آگے نہ پیچھے میری ایک ہی بیٹی ہے۔ اسے ہم نے بہت لاڈ سے پالا ہے۔ اور وہ کچھ نا سمجھ بھی ہے۔ میں نے اس کے لیے بہت خواب دیکھے ہیں اسے سمجھ نہیں دنیا کی - پھر تمہارے پاس ہے ہی کیا۔"

"میں پوری کوشش کروں گا اسے اس سے اچھی زندگی دوں گا جو وہ گزار رہی ہے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

اس نے آس سے ان کی طرف دیکھا۔

"چلو اگر تم سمجھتے ہو تم اپنی کوشش سے کوئی پہاڑ ڈھا لو گے تو اس حد تک میں مان بھی لوں مگر تمہارے باپ؟ میری بیٹی کی اگلی سات نسلوں تک لوگ اسے نہیں بھولیں گے۔ سب پوچھیں گے کس کی بہو ہے۔ جواب آئے گا جی کبا موچی کی کہاں کی شادی وہ کبا موچی کے بیٹے کے ساتھ۔ یہ سوال اس کا قبر تک پیچھا کریں گے۔ تم صرف تم نہیں ہو تمہارا باپ تمہارا حوالہ ہے۔ بلکہ حوالہ ہی صرف تمہارا باپ ہے۔ پھر پتا نہیں کیسی میوٹیشن ہے تمہارے جینز میں، پتا نہیں کوئی آگے بھی ایسا ہی پیدا ہو۔ تم تو ایسی چیزوں کے عادی ہو مگر میری بیٹی نہیں۔ ابھی تک وہ ونڈر لینڈ میں ہے اسے پتا نہیں کہ زندگی اس سے آگے کی چیز ہے۔

تم لاکھ چاہو اپنی زندگی سے اپنے باپ کو منفی نہیں کر سکتے۔ تو لوگ کیسے کریں گے۔" وہ بول نہیں رہی تھیں۔ وہ آگ اگل رہی تھیں۔ وہ یہ نہیں کہہ رہی تھیں۔ نکل جاؤ آئندہ یہاں نہ آنا مگر ان کا ہر عمل یہی کہہ رہا تھا۔

"مگر آنٹی خوش بخت میرے ساتھ۔" وہ اٹک کر بولا اسے ابھی بھی احساس نہ تھا کہ وہ اس کے باپ کو کیا کیا کہہ چکی ہیں۔

"تم اکیلے نہیں ہو۔ مہربانی کرکے آئندہ ایسی بات کے لیے زحمت نہ کرنا چائے پیو گے یا ٹھنڈا؟" وہ کھڑے کھڑے پوچھ رہی تھیں۔

جب وہ ان کے گھر سے نکلا اس کا دل چاہ رہا تھا ساری دنیا کو آگ لگا دے۔

"میں کچھ نہیں میرا کوئی حوالہ نہیں۔" آج تک اسے اپنے باپ سے محبت نہیں تھی تو نفرت بھی نہیں تھی مگر آج اس کا دل اس سے شدید بدظن تھا۔

سڑکوں کی خاک چھانتا جب وہ گھر پہنچا تو ابا صحن میں گیلی لکڑیوں کو آگ لگا رہا تھا۔ شام ہونے والی تھی اس کی آنکھیں ضبط سے سرخ ہو چکی تھیں۔ ابے کو دیکھ کر اس کا دکھ اور بھی تکلیف دینے لگا۔

"اگر اگر یہ انسان میری زندگی میں نہ ہوتا تو کیا کمی رہ جاتی میری زندگی میں۔"

ابا پھونکیں مار کر آگ جلا رہا تھا۔ مگر آگ جل ہی نہیں رہی تھی۔ ارد گرد دھواں ہی دھواں ہو گیا تھا۔ مگر اسے نہ دھواں تنگ کر رہا تھا نہ کچھ اور وہ غور سے ابے کو دیکھ رہا تھا۔

ابا پھونکیں مار کر تھک گیا تھا۔ ہلکی سی آگ لگی تو اس نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا ۔ دھوئیں سے اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔

"جیجاں بتا رہی تھی کہ تو امتحان مین پاس ہو گیا ہے۔ پتر!" ابے نے اپنے صافے سے آنکھیں صاف کیں۔

ابے کے وجود میں کوئی چیز بھی تو قابل توجہ نہ تھی۔ - - - نہیں تھی - ایک چیز تھی قابل توجہ وہ تھی ابے کا کب - بس -

"تو پاس ہو گیا کالے اب تجھے بڑی نوکری مل جائے گی ہے ناں؟"

وہ غور سے ابے کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے اب نوکری نہیں کرنی۔"

"کیوں۔ تو پاس نہیں ہوا جیجاں تو کہہ رہی تھی تیرا بیٹا بڑا افسر بنے گا۔ تیرے دکھ کے دن

ختم ہو جائیں گے- وہ جھوٹ تو نہیں بولتی -"

"جس کے لیے میں نے اتنی محنت کی جب وہی نہیں پھر کیا ضرورت ہے مجھے افسر بننے کی-" اس نے طنز سے افسر کہہ کر ابے کو دیکھا-

"کون ہے وہ؟" ابا چولہے کے پاس سے اٹھ کر اس کے پاس آگیا- وہ اب چولہے میں جلتی آگ کو دیکھ رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ اگر بولا تو پھٹ جائے گا-

"چپ کیوں ہے بول ناں- تو چپ ہی رہتا ہے میں تیرا باپ ہوں کبھی مجھے بھی بتا دیا کر-"

"یہی تو دکھ ہے ابا تو کیوں میرا باپ ہے- نہ ہوتا میرا باپ تو - تو سکون سے سوتا میں- تیرا بیٹا ہونے کا بہت دکھ ہے مجھے، نہ ہوتا میں تیرا بیٹا-

کیا دیا ہے تو نے مجھے، پتا ہے کیا دیا- دکھ، محرومی ، جو تھا وہ بھی تیری وجہ سے چھن گیا- تو کیوں ہے ابا، کیوں؟ تو نہ ہوتا- تو میری زندگی سے نکل کر بھی نہیں نکلے گا میری زندگی پر چھاپ لگ گئی ہے تیری، میرے اوپر، جتنا چھپاتا ہوں اتنا ہی تو نظر آتا ہے میری زندگی میں-

تو نکل جا ابا میری زندگی سے اب چھوڑ دے میرا پیچھا- نفرت ہے مجھے تم سے بہت شدید نفرت! یا مجھے مار دے میرا گلا گھونٹ دے یا تو مر جا ابا تو مر جا- تو مر کیوں نہیں جاتا-" اب اس کی آنکھوں سے متواتر آنسو نکل رہے تھے- وہ دیکھ ہی نہیں رہا تھا کہ اس کی باتوں کا ابے پر کیا اثر ہوا- وہ یہ کہتا ہوا کمرے میں چلا گیا- بستر پر لیٹ کر اپنے آپ کو قابو کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر لگتا تھا آج ساری زندگی کا رونا ہی رونا ہے اسے-

اس نے باہر دیکھا ابا باہر جا رہا تھا اس کی چال میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی- اس نے نفرت سے منہ موڑ لیا-

جس طرح نصیب نہیں بدل سکتا- اسی طرح رشتے بھی نہیں بدل سکتے -

بہت دیر وہ سوچتا رہا اتنا دکھ تو اسے اس وقت بھی نہیں ہوا تھا جب پہلی دفعہ کلاس میں مس نے اس سے پوچھا تھا، "تمہاری ماں تمہارے کپڑے نہیں دھوتی کال، سوئیٹر دیکھو کتنا میلا ہے- کالے میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں-"

مس نے اسے کھڑا کر دیا- اس نے سوئیٹر کی آستین سے ناک صاف کیا اور ہنستا ہوا بولا-

"وہ تو جی جب میں دو ماہ کا تھا مجھے چھوڑ کر بھاگ گئی تھ-"

مس بہت حیران ہوئی-

"تمہیں یہ کس نے بتایا؟"

"لوگ کہتے ہیں جی-"

تب اسے احساس ہی نہ تھا کہ میری ماں بھاگ گئی کا کیا مطلب ہوتا ہے- مگر وہ بہت ڈھیٹ تھا پھر آج کیا ہوا- آج وہ ڈھیٹ کیوں نہ بن سکا-

وہ رونا نہیں چاہتا تھا مگر آنسو رک ہی نہیں رہے تھے سردی بہت بڑھ چکی تھی ابا جو آگ جلا کر گیا تھا وہ کب کی بجھ چکی تھی- اب رات بہت ہو چکی تھی دھند بھی ناپید تھی جب وہ دروازے کے پاس گیا تو وہ کھلا ہوا تھا-" پتا نہیں اتنی رات کو ابا کہاں چلا گیا-" اس نے باہر گلی میں دیکھا مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا سب دروازے بند تھے- وہ گلی کے نکڑ تک گیا مگر ابا وہاں بھی نہیں تھا- ایک آوارہ کتا گلی کے نکڑ پر بیٹھا ایک ہڈی کھا رہا تھا- چاچا اصغر اپنی دکان بند کر رہا تھا وہ سب سے آخر میں دکان بند کرتا تھا اسے دیکھ کر اس نے پوچھا-

"تو کہاں جا رہا ہے اس وقت ؟"

"وہ ابا پتا نہیں کہاں چلا گیا اسے دیکھ رہا تھا۔" وہ ابے کے متعلق پوچھنا نہیں چاہتا تھا مگر منہ سے ابے کے متعلق ہی بات نکلی۔

"اسے تو شام کو میں نے قبرستان کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ ابھی تک واپس نہیں آیا کیا؟"

"نہیں۔ میں دیکھتا ہوں۔" وہ قبرستان کی طرف چل دیا۔ وہ یہ سب ارادتاً نہیں کر رہا تھا۔

قبرستان میں ہو کا عالم تھا۔ وہ آگے بڑھا تو ابا دادی کی قبر کے ساتھ لپٹے جھک کر بیٹھا تھا اس کی کمر تھی۔

اس نے ابے کو دیکھا تو واپس جانے کے لیے مڑنے لگا کہ خود ہی آ جائے گا۔ مگر ابا کچھ بول رہا تھا۔

"کب سے بیٹھا ہوں اماں تیرے پاس یہی کہہ رہا ہوں تو مجھے اپنے پاس کیوں نہیں بلا لیتی تھک گیا ہوں اب! تو مجھے اپنے پاس ہی بلا لے۔ میری ضرورت تو پہلے کسی کو تھی نہ اب ہے!" ابا یہ سب رک رک کر کہہ رہا تھا کبھی قبر کی مٹی پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا ابے کی آواز کانپ رہی تھی۔

"تو کہتی تھی نا مصیبت پر صبر تو سب کرتے ہیں مگر صبر کے ساتھ شکر بہت کم لوگ کرتے ہیں میں صبر اور شکر کرتے اب تھکنے لگا ہوں۔ ترس سے نفرت تھی مجھے پھر بھی سب سے زیادہ یہی میرے حصّے میں آیا۔ لوگ نفرت کرتے، حقارت سے دیکھتے مگر سب چلتا تھا میں عادی نہ ہونے کے باوجود عادی ہو گیا تھا، اتنا اثر نہیں کرتا تھا یہ مجھ پر مگر آسیہ کی طرح کوئی مجھ سے نفرت کرے، کسی کے لیے میں بھاری ہو جاؤں اس سے بچنا چاہتا تھا مگر میرا بیٹا وہ میرا بیٹا تو ہے ہی نہیں وہ تو آسیہ کا بیٹا ہے۔ اسی کی طرح کہہ رہا ہے آزاد کر دے مجھے۔ مگر اس میں میرا قصور کہاں ہے اماں۔ مگر مرنے کو تو مجھے آسیہ نے بھی نہیں کہا تھا۔ وہ کہتا ہے مر جا ابا۔ کیسے مروں اماں موت تو آنے سے ہی بندہ مرتا ہے ناں۔"

وہ چلتا ہوا اس کے پاس کھڑا ہو گیا ابے نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ رو رہا تھا۔ مگر اسے دیکھتے ہی اس نے آنسو صاف کر لیے۔

"سردی بہت ہو گئی ہے ابا، چل گھر۔" بہت کوشش سے بھی اب وہ اپنی آواز میں نرمی پیدا نہ کر سکا۔

"مجھے معاف کر دے پتر مگر مجھے تو اپنا قصور بھی نہیں پتا۔" ابے نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"مجھ سے نفرت تو نہ کر۔"

"ابا تو بھی بس چل سردی بہت ہو گئی ہے۔"

وہ ابے کو گھر لے آیا۔ گھر آتے ہی ابا دل پر ہاتھ رکھ کر زور سے دبانے لگا تکلیف سے اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔ وہ اسے ہسپتال لے آیا۔ ابے کو بہت شدید ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اس کے سخت الفاظ وہ بھول نہیں سکا وہ اس کے دل کو لے ڈوبے اس کا احساسِ جرم بڑھ گیا۔

"اگر ابے کو کچھ ہو جاتا تو میں اپنے آپ کو معاف نہ کر سکتا۔ غصّے میں میں جو بول گیا وہ میں نہ کہتا۔"

وہ اب بھی اپنے باپ کے احساسات کی فکر نہیں کر رہا تھا نہ ہی اس کے متعلق سوچ رہا تھا وہ تو یہ سوچ رہا تھا کہ میں زیادہ بول گیا جس کی وجہ سے ابا ہارٹ اٹیک کا شکار ہو گیا اس کی سمجھ میں اب بھی نہیں آیا کہ ابا کیا سوچتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اپنے سخت رویئے کی سزا دے رہا تھا۔ مگر جب سب لوگ جو اس کے محلے میں رہتے تھے ان کو پتا چلا تو وہ ابے کا ایسے پوچھ رہے تھے جیسے ان کا کوئی بہت اپنا تکلیف میں ہے ان کا کوئی پیارا ہسپتال میں ہے۔ اسے پہلی دفعہ پتا چلا کہ لوگ ابے کو بہت نیک انسان سمجھتے ہیں۔ کوئی پاک ہستی کوئی نیک روح شاید یہ سب ابے کو بھی آج تک پتا نہیں

تھا۔ مگر ابا تاروں اور مشینوں کے جال میں لپٹا پڑا تھا۔

ایک دفعہ ابے کو تھوڑی دیر کے لیے ہوش آیا مگر وہ پھر بے ہوش ہو گیا۔ مگر اس کی حالت اب خطرے سے باہر تھی وہ بات چیت نہیں کر سکتا تھا۔ مگر ابھی کچھ ٹیسٹ ہونے تھے۔ جس کے بعد فیصلہ ہونا تھا کہ بائی پاس ضروری ہے یا نہیں چار دن بعد ابے کی حالت کافی بہتر تھی دل ساٹھ فیصد تک ڈیمج ہوا تھا۔ مگر ابا اب تھوڑا سا بول سکتا تھا۔

وہ اس کے پاس ایک اسٹول پر بیٹھ گیا۔

"مجھے معاف کر دے ابا اس دن میں غلط بول گیا۔ میری وجہ سے تجھے شدید دکھ ہوا مگر اس دن میری حالت ہی ایسی تھی کہ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا بول گیا ہوں۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"مجھے پتا ہے کہ میں تجھے اچھا نہیں لگتا مگر مجھے یہ پتا نہیں تھا کہ میں تمہیں اتنا برا لگتا ہوں۔"

"نہیں ابا ایسا نہیں ہے۔" اس نے ابے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے پیار سے دبایا۔

"آج میں تجھ سے باتیں کرنا چاہتا ہوں بہت سی باتیں۔" ابا کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ صبح کا وقت تھا مگر دھند شدید تھی۔

"ہم بہت باتیں کریں گے ابا مگر ڈاکٹر نے زیادہ باتوں سے منع کیا ہے۔"

"پتا ہے جب میں چھوٹا تھا تو مجھے نہیں پتا تھا کہ میں ایک نارمل انسان ہوں۔ میں ویسا نہیں جیسے سب ہیں مگر جب مجھے یہ شعور حاصل ہوا کہ میں الگ ہوں۔ تو میں بہت دعا کرتا تھا کہ صبح اٹھوں تو بالکل ویسا ہی ہو جاؤں جیسے سب ہوتے ہیں۔ مگر میری زندگی میں کبھی ایسی صبح طلوع نہیں ہوئی۔

میں لوگوں سے وہ عام رویہ چاہتا تھا جو وہ دوسروں کے ساتھ کرتے تھے مگر میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا میں

بہت دفعہ مذاق کا نشانہ بنا۔ پھر یوں ہوا کہ میں اپنے خول میں بند ہو گیا پھر آسیہ میری زندگی میں آئی۔ میری ماں مجھ سے بہت محبت کرتی تھی اس جیسی محبت شاید دنیا میں مجھ سے کوئی نہ کر سکے۔ مگر آسیہ مجھے انعام لگی میں بھول گیا کہ میں ایک عدد کب رکھتا ہوں جو دوسرے لوگوں کی طرح آسیہ کو بھی نظر آتا ہے۔

میں نے پہلی دفعہ آسیہ کے لیے خود کو بدلنا چاہا۔ مگر وہ تو میری ماں کے احسان کا بدلہ چکا رہی تھی۔ مگر میں "نہ ہونے" سے "ہونے" کی منزل کی طرف سفر کر رہا تھا۔ اپنے ہونے کو محسوس کر رہا تھا مگر بھول گیا کہ آسیہ کیا سوچتی ہے۔

پھر ایک دن وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ "ہونے" سے میں "نہ ہونے" کے کنواں میں دوبارہ گر گیا۔ "شے" سے "لاشے" کے سفر میں ہر ایک بچتا نہیں اکثر منکر ہو جاتے ہیں کچھ حواس کھو دیتے ہیں۔ شاید میں بھی منکر ہو جاتا مگر اللہ نے گامے موچی کی صورت میں مجھے ایک راہبر عطا کیا پھر دنیا میرے لیے اتنی اہم نہ رہ گئی مگر تو تب بھی میرے لیے اتنا اہم تھا میں تیرے متعلق

سوچتا تھا تجھ سے پیار کرتا تھا۔ شاید اظہار کے معاملے میں کورا تھا۔" ابا مسلسل بول رہا تھا کہ اس کا سانس پھول گیا۔

"ابا پھر سنوں گا سب تجھ سے ابھی نہیں۔" اس نے چمچے سے پانی ابے کے منہ میں ڈالا۔ تھوڑی دیر ابا چپ رہا۔ وہ بار بار ماضی میں جا رہا تھا۔

کافی دیر بعد وہ پھر بولنا شروع ہو گیا۔

"تجھے یاد ہے تو چھوٹا تھا پانچ چھ سال کا تو میں نے ٹوکرے میں مالٹے لگائے تا کہ انہیں بیچ سکوں تو محلے کے تمام بچے میرے مالٹے اٹھا کر لے گئے تھے ان میں تم بھی شامل تھے۔ میں نے تم لوگوں کو بہت روکا مگر تم سب مالٹے اٹھا کر لے گئے پھر مالٹے کھا کر میرے ارد گرد بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا۔ تم سب سے کہہ رہے تھے کبا موچی ہائے ہائے کبا موچی ہائے ہائے۔ مگر مجھے تمہاری آواز کے علاوہ کوئی آواز نہیں آ رہی تھی ۔ تو میں نے خود کو سمجھایا بچہ ہے بچوں کے ساتھ مل کر ایسا کر رہا ہے ورنہ یہ ایسا نہ کرتا۔ تم سب بچے میری کمر پر چھوٹے پتھر بھی مار جاتے تھے مجھے کبھی ایسی تکلیف نہیں ہوئی تھی جیسی اس دفعہ ہوئی ۔

میں تیری زندگی سے نکل جاتا مگر تجھے کون پالتا تیرا میرے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔ میں تو تیرے لیے ہی جیے جا رہا تھا۔ مگر مجھے احساس ہی نہ ہوا کہ میری ذات تیرے لیے اتنی اذیت ناک ہے۔

مجھے کیوں نہ پتا چلا۔ کیوں؟"

ابے کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔

"ابا میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔" اس کے اپنے آنسو بہہ رہے تھے۔

"نہ پتر اب مجھے نہ روک ایک بات مانے گا؟"

"ہاں!"

"اپنا چہرے میرے چہرے کے پاس کر۔"

اس نے اپنا چہرہ ابے کے چہرے کے پاس کیا۔ اس نے اس کا ماتھا چوم لیا۔ پہلا اور آخری بوسہ ۔

"میں آج تک کسی کے معیار پر پورا نہ اتر سکا۔ ماں کہتی رہی کوئی ہنر سیکھ لے میں اس کی خواہش بھی پوری نہ کر سکا۔ آسیہ کے لیے بھی میں احسان کی گٹھری بن گیا۔ شاید تیری خواہش پوری کر دوں۔"

"ابا مجھے معاف کر دے۔ وہ میں ----" اس کے منہ سے الفاظ ہی نہیں نکل رہے تھے مگر ابے کو اس کی خواہش کو پورا کرنا ہی تھا شاید۔

+++++++++++++

میرا باپ عام انسان کی طرح دنیا میں آیا اور عام انسان کی طرح ہی دنیا سے چلا گیا۔

مگر وہ عام نہیں تھا وہ بہت ایکسٹرا آرڈنری انسان تھا۔ وہ کہتا تھا کہ وہ میرے لیے تہجد میں دعا مانگتا ہے۔ مجھے پتا نہیں چل سکا۔ کب کبا موچی میرے اندر آ کر بیٹھ گیا۔ میں پولیس میں جاب نہ کر سکا کیوں کہ اس محکمے کو ایماندار انسان کی ضرورت نہیں تھی کاروبار کیا، ماربل کے بزنس میں بہت کمایا مگر ایمانداری سے۔ میری زندگی آہستہ آہستہ ابے جیسی ہوئی گئی میری شادی خوش بخت سے ہی ہوئی جب اس کی والدہ کو پتا چلا کہ میں سول سروس میں جانے والا ہوں تو انہیں میرے جینز کی میوٹیشن سب بھول گیا۔ گریڈ یاد رہ گیا۔ میں نے جانے کب تہجد کی نماز پڑھنی شروع کی اور ویسے ہی روتا جیسے بچپن میں ابے کو دیکھتا تھا میری ضرورتیں محدود سے محدود ہو گئیں شاید تین ہی جوڑے میں زیادہ استعمال کرتا۔

ابا میرے زندگی سے جاکر بھی کہیں نہیں گیا تھا۔

وہ میرے آس پاس ہی ہے۔ نامحسوس طریقے سے میں کب کالے سے کبا موچی بنا مجھے پتا ہی نہیں چلا۔

پھر بھی ابا کہتا تھا میں اس سے پیار نہیں کرتا۔ اگر میں اس سے پیار نہیں کرتا تو پھر میں "ابا" کیسے بن گیا۔

کچھ چیزیں آپ کے اندر چھپی ہوتی ہیں وہ کوئی ٹھوکر یا حادثہ کی صورت میں ہی ظاہر ہوتی ہیں۔

یا خوش بخت کی ماں صحیح کہتیں تھیں کہ میرے جینز میں ہی میوٹیشن ہو چکی ہے میں اپنے باپ کو اپنے زندگی سے منفی کرنا چاہتا تھا مگر مجھے اب احساس ہوا میں اسے جمع کرتا رہا اور کرتا ہوں۔

ختم شد